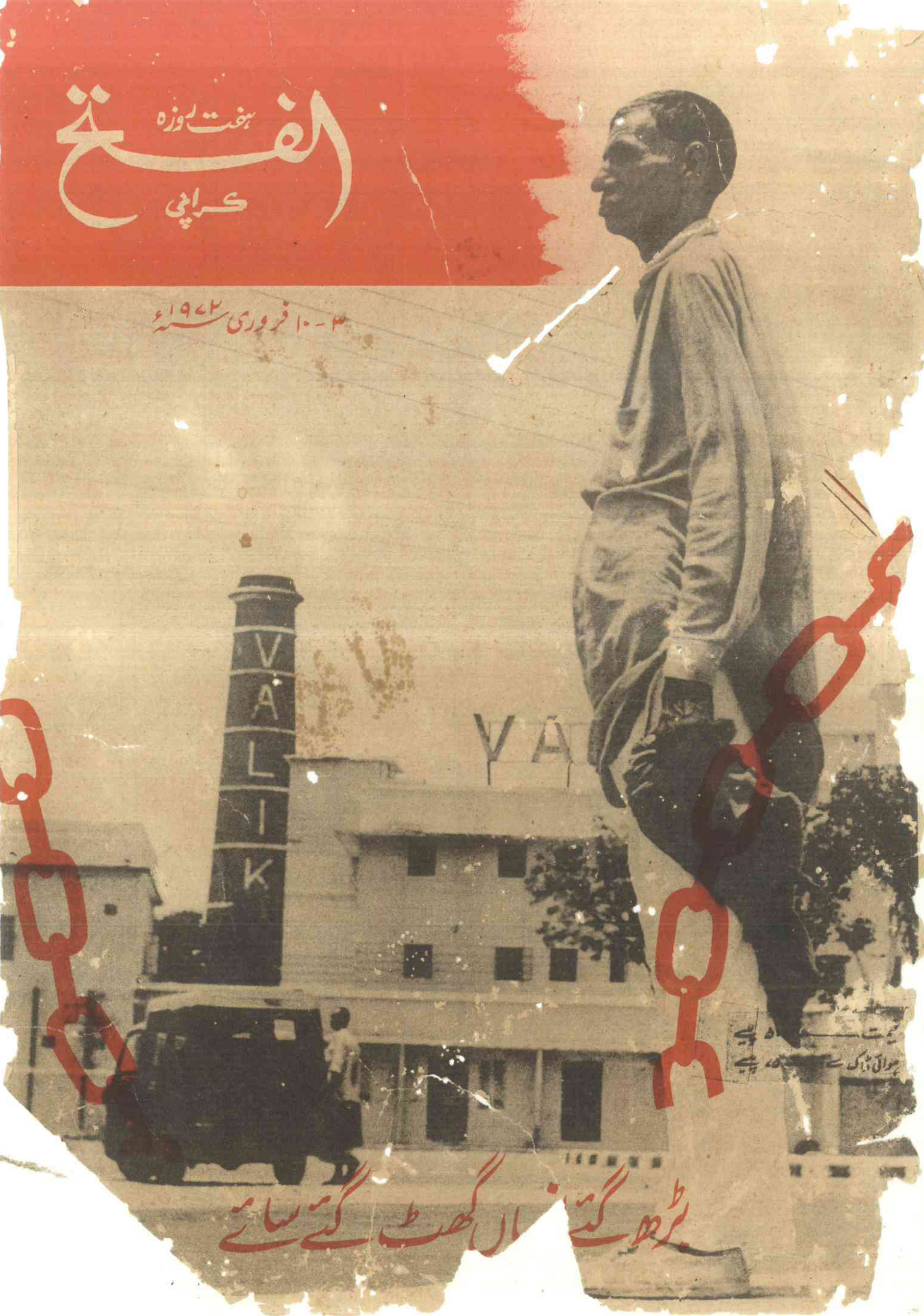

ہفت روزہ
الفتح
کراچی
۳-۱۰ فروری سنہ ۱۹۷۲ء
V
A
L
I
K
بڑھ گئے
اں گھٹ گئے سائے

غیر مطبوعہ

مُصطفیٰ زیدی

جلتے ہیں مرغزار

(۱)

وہ خاندان جس میں شریکِ حیات کے
دل ہیں، سوائے مری محبّت کے کچھ نہیں
اپنے لہو کے سینکڑوں رشتوں کو توڑ کر
کیں جس نے اختیار مری دلفگاریاں

چھوٹی سی عمر سے مرے بیٹے کے ذہن میں
لاکھوں ننھے سوال ہیں، بے حد اہم سوال
بچّی، ابھی سے جس کی ذہانت پہ بار ہیں
قوالیوں کے بول، غزل کی مداریاں

(۲)

اور دوسری طرف مرا آشفتہ حال، ملک
نو دس کروڑ لوگ فلاکت کے بوجھ میں
انہیں بیس لوگوں کی جاگیرداریاں
گندم کے، جو کے، جھومتی سرسوں کے ملک میں
جلتے ہیں مرغزار، سُلگتی ہیں کیاریاں

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد :— ۲ شمارہ :— ۳۸

۳ر-۱۰ر فروری ۱۹۷۲ء

نگران
شوکت صدّیقی
محمود شام

مدیر
ارشاد راؤ

معاونینِ خصوصی
ابراہیم جلیس، افضل صدّیقی، عبدالحمید چھاپرا

مجلسِ ادارت
وہاب صدّیقی - نعیم آروی

آرٹ ایڈیٹر
غلام نبی برقی

سرورق :- اقبال غرقی

بدلِ اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے	۵"، پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت :- ۶۰ فلس دوبئی قطر : ۷۵ درم
سعودی عرب : ۱۵ قرش - انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقامِ اشاعت
ہفت روزہ الفتح ، ۸۰ ڈی، نصری کمرشل ایریا
پی، ای، سی، ایچ، ایس کراچی-۲۹

ٹیلیفون : — ۴۱۲۲۷۴

ایڈیٹر پبلشر :- ارشاد راؤ
مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد، کراچی

عکاس : الطاف رانا

اداریہ

مارشل لاء، جمہوریت اور عوام

آج پاکستان کی مختلف سیاسی جماعتیں بڑی شدت کے ساتھ یہ مطالبہ کر رہی ہیں کہ ملک سے مارشل لاء کو فوری طور پر ختم کر کے جمہوریت بحال کی جائے۔ جہاں تک اِس مطالبے کے اصولی پہلو کا تعلق ہے ہمارے خیال میں پاکستان کا کوئی بھی جمہوریت پسند اور عوام دوست شخص اِس سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ خود صدرِ مملکت جناب ذوالفقار علی بھٹو بار بار اس بات کا اعلان کر چکے ہیں کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی مارشل لاء کو پسند نہیں کرتے۔ ان حالات میں مارشل لاء کے تسلسل کے لئے کوئی اصولی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔

پارلیمانی جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بعض سیاسی جماعتیں اور سیاسی رہنما پارلیمانی جمہوریت کی بحالی کو اس انداز سے عوام کے سامنے پیش کر رہے ہیں جیسے کہ اُس کی بحالی کے ساتھ ہی عوام کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ اس کے باوجود کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ایسے ملک میں جہاں معاشی، سیاسی اور سماجی رشتے سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام سے بندھے ہوتے ہیں۔ وہاں نہ پارلیمانی جمہوریت سے عوام کے مسائل حل ہو سکتے ہیں نہ صدارتی طرزِ حکومت اور نہ ہی مارشل لاء عوام کے دکھوں کا مداوا کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عوام صرف براہ راست تجربے اور شرکت کے ذریعے ہی کسی نظام کی افادیت یا عدم افادیت کا شعور حاصل کر سکتے ہیں۔

گزشتہ عام انتخابات پاکستان کی تاریخ کے پہلے عام انتخابات تھے اور ان انتخابات میں عوام زبردست انداز سے متحرک ہوئے اور ان انتخابات کے ذریعے وجود میں آنے والے اداروں سے عوام نے بے شمار توقعات وابستہ کی ہوئی ہیں اور جب تک ان اداروں کا عمل عوام کے سامنے نہیں آ جاتا۔ اُس وقت تک ان اداروں پر سے عوام کا اعتماد ختم نہیں ہو گا۔ اور مختلف مفاد پرست سیاسی جماعتیں اور سیاسی رہنما عوام کو اسی بنیاد پر غلط راستوں پر لے جانے میں کامیاب ہوتے رہیں گے۔ اس لئے ان انتخابات کے تحت بننے والی قومی اور صوبائی اسمبلیوں کا وجود میں آنا اور ان اسمبلیوں کے منتخب ارکان کو اقتدار دیا جانا نہایت ضروری ہے۔

جہاں تک صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس طلب کرنے کا تعلق ہے صدرِ مملکت اس بات کا اعلان کر چکے ہیں اور ان کے اجلاس کی تاریخ بھی مقرر ہو چکی ہے۔ اب سوال صرف قومی اسمبلی کے اجلاس کے انعقاد اور مارشل لاء کے خاتمے کا ہے۔ ملک کے موجودہ حالات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرنا قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والے بعض نہایت اہم اقدامات اور واقعات کو بلا چون و چرا تسلیم کرنے کے مترادف ہو گا۔ اِن میں پاکستان کے ایک قانونی حصّہ پر بھارتی جارحیت اور قبضے کو تسلیم کر لینا بھی شامل ہے۔ اِس کے علاوہ ہمارے ملک کے خلاف ہونے والی دیگر سامراجی سازشوں کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کا معاملہ بھی اپنی جگہ موجود ہے۔ آج امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج اِس بات کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ پاکستان کو بھارتی توسیع پسند سرمایہ دار حکمران ٹولے کی سیاسی طفیلی ریاست بنا دیا جائے۔ اِس لئے اگر موجودہ صورتِ حال میں نام نہاد بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا جائے تو اِس کا صاف مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے بھارتی توسیع پسندوں کی سیاسی بالادستی کو تسلیم کر لیا ہے اور اس طرح ہم امریکی سامراجیوں اور روسی سوشل سامراجیوں کی اِس سازش کی کامیابی میں پورے پورے حصّہ دار بن جائیں گے۔ جو وہ ہمارے

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

جنگِ امن

اختر شریف اختر

امن کی خاطر کون لڑے گا
گنّے اور پٹ سن کے کھیت
گندم اور روئی کے دیس
ننگے بچّوں کے مسکان
اور بھوکے لوگوں کے پیٹ
امن کی خاطر کون لڑے گا

دیس کی مائیں، دیس کی بہنیں
شرمائی دُلہن کے گہنے
چرغے اور کنوئیں کے گیت
مدّت سے بچھڑے ہُوئے میت
بولو رانجھا، بولو ہیر
امن کی خاطر کون لڑے گا

امن کی خاطر کون لڑے گا
گاؤں کی چھوٹی سی ہٹّی[1]
ماہی گیر کی خستہ کشتی
شہر کی کچی پکی بستی
ذرّہ ذرّہ، مٹی مٹی
قطرہ قطرہ سیلِ ہستی
امن کی خاطر کون لڑے گا

جنگِ امن ہے، سنگ بناؤ
سنگ بناؤ، عَلَم اٹھاؤ
اُٹھو اے مزدور جوان
اٹھو طالب علم، کسان
اٹھو دہقاں، اُٹھو ہاری
اُٹھو اے مخلوقِ باری
امن کی خاطر کون لڑے گا

[1] دکان



نیشنل عوامی پارٹی
(ولی گروپ، کو بلوچستان
میں بلا تاخیر
اقتدار دے دیا جائے



نیپ ”بنگلہ دیش“ کو تسلیم کرانا چاہتی ہے

وقائع نویس

روس تدریج مغربی پاکستان میں بالکل اسی انداز میں داخل ہو رہا ہے جیسا کہ وہ مشرقی پاکستان میں آیا تھا اور آج بھارت کو آگے رکھ کر پاکستان کے اس حصے پر قابض ہو چکا ہے، روس نے غیر ملکی فوجوں کے ذریعے قوموں کو آزادی دلانے کا جو ڈھونگ چلایا ہے، وہ اس پر سختی سے کاربند نظر آتا ہے، نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اس نے حکومت پاکستان کی جانب سے ہونے والی تمام دوستانہ پیش کشوں کو پس پشت ڈال دیا ہے اور انتہائی ڈھٹائی اور بے شرمی سے مغربی پاکستان کو ہڑپ کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔

روس کی پاکستان کے بارے میں پالیسیوں کو پرکھنے کے لئے بھارت کے عزائم کو سامنے رکھنا پڑے گا۔ بھارت کے ذرائع نشر و اشاعت ان دنوں جو پروپگنڈا کر رہے ہیں، ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اکھنڈ بھارت کا خواب پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا کام شروع ہو چکا ہے۔

ایک طرف یہ صورت حال ہے اور دوسری طرف اپنے ہی ملک میں صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اکثریتی پارٹی نیپ کچھ اس انداز میں سرگرم عمل ہے کہ جیسے پاکستان پیپلز پارٹی کی بجائے اقتدار اعلیٰ کی مستحق یہ جماعت ہے، اس کی جانب سے اب تک جو مطالبات اور کارروائیاں پیش ہوئی ہیں، ان میں سر فہرست مارشل لاء کے خاتمے کا مطالبہ ہے۔ اس کی ہاں میں ہاں ملانے والی جماعتوں میں وہ تمام جماعتیں شامل ہیں، جنہیں عوام پچھلے انتخابات میں مسترد کر چکے ہیں۔

نیپ کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ ترقی پسند جماعت ہے، بالکل اسی طرح کہ مولانا مودودی، نورانی میاں اور تھانوی صاحب روس کو کمیونسٹ کہتے ہیں، نیپ ترقی پسند سیاسی جماعت ہے تو بلاشبہ اسے ایک ایسے نظام کے خلاف کام کرنا چاہیے جو عوام کو دھوکہ دینے کے مترادف ہو، وہ اگر یہ دعویٰ کرے کہ پاکستان میں مارشل لاء کے خاتمے کے بعد عوامی جمہوریت قائم کی جائے گی۔ اور اس ملک میں مسٹر بھٹو کو مغربی طرز کی وہ جمہوریت رائج کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی جس میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے نظام کو برقرار رکھنے کے لئے اسمبلی کے مٹھی بھر افراد اپنی مرضی کے فیصلے عوامی نمائندگی کی آڑ میں مسلط کر دیتے ہیں تو پھر بات سمجھ میں آتی ہے اور عوام کے فائدے میں بھی ہے لیکن اگر مارشل لاء کے فوری خاتمہ کا مقصد وہی جمہوریت قائم کرانا ہے جو ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک اپنی تمام صورتوں میں عوام پر عذاب بن کر نازل ہوتی ہے تو اس کا مطلب اول تو عوام دوستی نہیں اور دوم اس مطالبے کے پس منظر میں ایک اور جذبہ کارفرما نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ مارشل لاء کے خاتمے کی صورت میں حکومت کے پاس اس امر کا کوئی جواز باقی نہیں رہے گا۔ کہ وہ قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرے اجلاس طلب کرنے کی صورت میں صرف مغربی پاکستان کے نمائندے ہی شرکت کر سکیں گے۔ مشرقی پاکستان کے نمائندوں کی غیر حاضری اس سطح پر یہ ثبوت فراہم کر دے گی کہ مغربی پاکستان نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو تسلیم کر لیا۔ نیپ کی سیاسی فراست کا فقدان ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس معاملے کو قومی سطح پر سوچنے کی بجائے پارٹی کی سطح پر سوچ رہی ہے۔ ممکن ہے اس میں اس کی اپنی چند مصلحتوں کا بھی دخل ہو، لیکن ایک ایسے نازک مرحلے پر جبکہ پاکستان پر فوجی دباؤ کے بعد سیاسی اور سفارتی دباؤ میں تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اندرون ملک نیپ کا یہ موقف سنگین بحران کا راستہ کھول دے گا۔ جہاں تک مسٹر بھٹو کا تعلق ہے انہوں نے اب تک بنگلہ دیش کے بارے میں جو اقدامات کئے ہیں، ان کی نوعیت خاصی اہم ہے، شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائی، انہیں مسلم بنگال کی اکثریتی رہنما کی حیثیت سے تسلیم کیا جانا اہم اقدامات ہیں نیپ انگوٹھا چوسنے والی ایسی جماعت بھی نہیں جسے ان اقدامات کے بارے میں سمجھایا جائے اب صرف اس بات کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ حکومت پاکستان بنگلہ دیش کو عالمی سطح پر ایک آزاد مملکت تسلیم کر لے، یہی وہ اہم نکتہ ہے جس پر نیپ مسلسل دباؤ ڈال رہی ہے



امریکہ اور سوویت یونین مشرقی پاکستان کو چین کے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہیں

اس مرحلہ پر بنگلہ دلیش کو تسلیم کرنے کا مطلب بھارتی جارحیت کو تسلیم کرنا ہے مسٹر بھٹو اس جانب بار بار اشارہ کر چکے ہیں کہ بھارت جارحیت کا مرتکب ہوا ہے۔ وہاں اس کی مسلح افواج جمی ہیں، ایسی صورت میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان بیاہی مذاکرات نتیجہ خیز ثابت نہ ہوں گے، نیپ اس اہم معاملے کو گول کر جاتی ہے بین الاقوامی سطح پر روس، برطانیہ، فرانس اور امریکہ کا بھی یہی موقف ہے، برطانیہ نے بنگلہ دلیش کو تسلیم کر لینے کا اعلان بھی کر دیا ہے، یہ تمام ممالک یہی چاہتے ہیں کہ بھارت کی مسلح مداخلت کو نظر انداز کر دیا جائے اور جلد سے جلد بنگلہ دلیش کو سفارتی سطح پر تسلیم کر لیا جائے۔ پاکستان پر بیرون ملک اور اندرون ملک یہی دباؤ ڈالا جا رہا ہے روس خاص طور پر پیش پیش ہے۔

امریکہ اور روس کو بنگلہ دلیش کے ان حریت پسندوں سے شدید خطرہ لاحق ہے، جو اپنے وطن کی زمین پر بھارتی فوج کے ایک سپاہی کو بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں، امریکہ اور روس دونوں اپنے لئے ایک خطرہ کی بو سونگھ رہے ہیں جو مشرقی پاکستان میں ایک حقیقی عوامی جمہوریت کے قیام کی صورت میں لظاہر ہو رہا ہے وہ بھارتی فوج کے ذریعہ اس عظیم عوامی جدوجہد کا سر کچلنا چاہتے ہیں، ورنہ ان کے مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے اور مشرقی پاکستان کو چین کے خلاف استعمال کرنے کا خواب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منتشر ہو جائے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ بنگلہ دلیش کے بارے میں نیک ارادے رکھتے ہیں اور وہاں شیخ مجیب الرحمن کی قیادت میں جمہوریت قائم کرنا چاہتے ہیں تو پھر وہ بنگلہ دلیش کے بھارتی فوج کی واپسی کے جائز مطالبے پر لب کشائی کیوں نہیں کرتے یہ بڑے ممالک مسٹر بھٹو کے اس مطالبے کی تائید سے قصداً کیوں گریز کر رہے ہیں کہ صلح صفائی کے لئے مشرقی پاکستان سے بھارتی فوجیوں کا انخلا ضروری ہے اندرون ملک نیپ اس مخلصانہ اپیل کی حمایت کیوں نہیں کرتی، نیپ کے لیڈران اس مطالبے کو کیوں جائز قرار نہیں دیتے؟

نیپ کا تیسرا مطالبہ صوبائی اسمبلی کے اجلاس کا انعقاد اور سرحد اور بلوچستان میں اکثریتی پارٹیوں کی وزارت سازی کا حق ہے وہ سرحد اور بلوچستان میں اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے وزارت سازی کا مطالبہ شدومد سے کر رہی ہے، بلاشبہ یہ مطالبہ جائز ہے کہ اکثریتی پارٹیوں کو وزارت سازی کا حق دیا جائے۔ بلوچستان میں وہ اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے آئی ہے۔ لیکن سرحد میں وزارت تشکیل دینے کا حق اسے کہاں سے مل گیا۔ سرحد میں گورنر کی تقرری پر بھی اس نے اعتراض کیا۔ حالانکہ سرحد میں اسے اکثریتی پارٹی کی حیثیت حاصل نہیں ہے یہ ایک اصولی بات ہے، نیپ اپنے آپ کو ایک اصول پسند سیاسی جماعت کہلواتی ہے، اُسے ایسی باتوں سے گریز کرنا چاہیئے تھا جس سے اس کے اصولوں پر ضرب پڑتی ہو مگر حقائق ہمارے سامنے ہیں، نیپ اپنی بعض قومی اور بین الاقوامی مصلحتوں کے بنا پر اپنے اس مطالبے کو جمہوری اور برحق قرار دینے میں اس قدر آگے بڑھ گئی ہے کہ شاید اس موقف پر تنقید اپنے سیاسی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف قرار دے۔

نیپ پر اس اصولی تنقید سے میری مراد پاکستان پیپلز پارٹی کے ان غلط فیصلوں کی توثیق کرنا نہیں جن کی وجہ سے نیپ اپنے آپ کو آج اس حالت میں لے آئی ہے کہ وہ علیحدگی کے نعرے بلند کروا رہی ہے روس سے تعلقات منقطع نہ کر کے مسٹر بھٹو نے یقیناً "مصلحت پسندی سے کام لیا ہے" روس ہمارا بدترین دشمن

عوام روس اور سیٹو، سنٹو کے سخت مخالف ہیں

ہے اس کی حمایت کرنے والے بھی ہمارے دشمن ہیں، ان سے کوئی اتحاد قائم نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ جنہوں نے پاکستان کے وجود کو نہیں مانا، وہ ان طاقتوں سے اشتراک کن بنیادوں پر کریں گے جو پاکستان بچانے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کو تیار ہیں

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بھٹو صاحب سے کون یہ کہلوا رہا ہے کہ روس سے دوستی کا دروازہ کھلا رہے گا۔

سیٹو، سنٹو کو متحرک کیا جائے گا۔ پاکستان کے عوام مسٹر بھٹو سے یہ سننا تو کجا اس کے بارے میں سوچنا تک گوارا نہیں کرتے۔ ان کے سامنے وہ بھٹو ہے، جو عوام کی نمائندگی کرتے ہیں جو سامراج دشمن اور چین دوست ہیں۔ عوام کو یہ سن کر سخت صدمہ ہوا کہ روس کے بنگلہ دلیش کو تسلیم کرنے کے باوجود پاکستان سفارتی تعلقات برقرار رکھے گا۔

روس نے مشرقی اور مغربی پاکستان کی سرحدوں پر اپنے دلال بھارت سے مل کر جس جارحیت کا ارتکاب کیا ہے، وہ جرم بھارت سے کم نہیں۔ روس حملہ آور ہے۔ پاکستان اس سے سفارتی تعلقات رکھتا ہے تو اُس نے بھارت سے تعلقات کیوں ختم کئے ہیں۔ پولینڈ، ہنگری، بلغاریہ اور روس کے دوسرے پاکٹ ممالک سے سفارتی تعلقات کیوں توڑے ہیں۔ دشمن کی شکلوں میں خوب صورتی اور بدصورتی کا امتیاز نہیں کیا جاتا بلکہ اُس کی شکل ایک ہی ہوتی ہے۔

نیپ سے اتحاد کے بارے میں پاکستان پیپلز پارٹی نے جو اقدامات کئے ہیں وہ بھی عوامی خواہشات کے منافی ہیں اس میں شاید یہ مصلحت کارفرما ہو کہ نیپ سے اشتراک کی صورت میں پیپلز پارٹی ان دو صوبوں کے اقتدار میں شریک ہو جائے گی۔ یہ غلط سوچ ہے۔ اقتدار کے ذریعے سیاسی اقتدار مستحکم کیا جا سکتا تو ایوب خان زوال کا منہ نہ دیکھتے اور یحییٰ خان اپنی مرضی کی پارٹی کو اقتدار سونپ دیتے۔ سیاسی اقتدار صرف عوام سے گہرے رابطے سے ہی ملتا ہے۔ نیپ کو بلوچستان میں اکثریت حاصل ہے۔ اسے بلا تاخیر اقتدار دے دیا جائے اور فیصلہ عوام پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ کہاں تک عوام کی مشکلات کو حل کرتی ہے۔

صوبہ سرحد میں اقتدار مخلوط حکومت کو ہی ملے گی۔ اس میں سودے بازی کی گنجائش ہے۔ لیکن سودا کرنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ علیحدگی پسندوں سے اشتراک پیپلز پارٹی کے وجود کو ختم کر دے گا۔

پاکستان پیپلز پارٹی ضلع ملتان کے جنرل سیکرٹری اشفاق احمد سے ایک مُلاقات

صنعتوں کو سرکاری
کنٹرول میں لینے سے صنعتکاروں
کا مفاد ختم نہیں
ہُوا۔ براہِ راست
استحصال کی بجائے
بالواسطہ استحصال
جاری رہے گا



پاک، ایران، افغانستان کنفیڈریشن کی تجویز اور سامراج

نعیم آروی

"نئی حکومت نے ابھی تک کوئی بنیادی اصلاحات نہیں کی ہیں۔ پاکستان کا مظلوم طبقہ نئی اور انقلابی تبدیلیوں کا منتظر ہے۔"

یہ بات پیپلز پارٹی ضلع ملتان کے جنرل سیکرٹری مسٹر اشفاق احمد خان نے ایک انٹرویو کے دوران کہی۔ خاصی بھاری بھرکم شخصیت کے مالک ہیں۔ سنجیدہ، متین اور پروقار دبیز شیشوں کی عینک کے پیچھے بڑی بڑی آنکھیں زیادہ بڑی دکھائی دیتی ہیں۔ ان کی مسکراہٹ طنز اور قہقہہ بھاری بھرکم جثے کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا "اقتصادی میدان میں ابھی تک جو اقدامات کئے گئے ہیں۔ انہیں میں ریاستی انتظام (State Managerial control) ہوں۔ اس سے عوام کے اقتصادی حالات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ نہ ہی اِن اقدامات سے ان اداروں کے محنت کش متاثر ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اداروں کو کنٹرول میں لینے کے باوجود صنعت کاروں کی ملکیت ختم نہیں ہوئی۔ ان کا مفاد بھی ختم نہیں ہوا۔ انہیں منافع ملتا رہے گا۔ براہ راست استحصال کی بجائے بلواسطہ استحصال جاری رہے گا۔ صرف ایک مثبت بات سامنے آئی ہے۔ حکومت کی آمدنی بلاشبہ بڑھ جائے گی۔ صنعت کار ٹیکس بچاتے تھے۔ اکسائز ڈیوٹی ہضم کر جاتے تھے۔ اس سے سرکاری خزانے کو اربوں روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا۔ نئی حکومت کے ریاستی کنٹرول سے کسی حد تک بچاؤ ممکن ہوگیا۔ لیکن نقصان اور گھپلے کا امکان باقی رہتا ہے۔ نوکر شاہی کے نمائندے جو ان اداروں کا کنٹرول سنبھالیں گے وہ اپنی بدعنوانیاں جاری رکھنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن صدر مملکت کی ذاتی مستعدی اور نگرانی سے ہمیں توقع ہے کہ نوکر شاہی کے ان نمائندوں کو زیادہ کھل کھیلنے کا موقع نہیں ملے گا۔

حکومت نے جن اداروں کو ریاستی انتظام میں لیا ہے، اگر ان کو بلا معاوضہ قومی ملکیت میں لیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ اس صورت میں عوام اور ان اداروں کے مزدور براہ راست مستفید ہو سکتے تھے۔



محنت کشوں کے مسائل کا واحد حل۔ سوشلسٹ انقلاب

مزدور طبقے کے مسائل اور ان کی موجودہ بے چینی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا "محنت کشوں کے مسائل سوشلسٹ انقلاب ہی سے حل ہو سکتے ہیں۔ موجودہ حکومت نے اس سلسلے میں اب تک جو عارضی اقدامات کئے ہیں وہ واضح طور پر سامنے نہیں آئے ہیں۔ لیبر پالیسی سامنے آجائے تو کوئی واضح شکل ابھر کر سامنے آئے گی۔ ابھی سے لیبر پالیسی کے بارے میں قیاس آرائی درست نہ ہوگی۔ عارضی انتظامات میں صرف ایک ہی حکم دیا گیا ہے کہ جن مزدوروں کو یکم جنوری ۱۹۷۱ء کے بعد برطرف کیا گیا انہیں سابقہ ملازمتوں پر بحال کیا جائے۔ یہ ایک مثبت اقدام ہے۔ لیکن ناکافی۔ اگر اس حکم کا اطلاق ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء سے کیا جاتا تو محنت کشوں کے حق میں زیادہ فائدہ ہوتا۔ اس لئے کہ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کا مارشل لاء مزدور طبقے کی انقلابی جدوجہد کو روکنے کے لئے نافذ کیا گیا تھا۔ اس مارشل لاء نے مزدوروں کی ہڑتال پر پابندی لگا دی۔ لیکن سرمایہ دار طبقہ کو اس بات کی کھلی چھٹی دے دی گئی کہ وہ جتنے مزدوروں کو جب چاہیں روزگار سے محروم کر دیں۔ نور خان کی لیبر پالیسی محض ایک فراڈ تھی محنت کشوں کو فائدہ پہنچنے کی بجائے نقصان ہوا۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اگرچہ مارشل لاء نے تالہ بندی کو غیر قانونی قرار دے دیا تھا اور مغربی پاکستان کے مارشل لاء گورنر نور خان نے بیکو کی تالہ بندی کو غیر قانونی قرار دیا تھا۔ لیکن جیل میں صرف بیکو کے مزدور گئے۔ کوڑے مزدوروں کو لگائے گئے۔ گورنر بہادر بیکو کے مالکان کے رویے پر افسوس کے اظہار کے علاوہ کچھ نہ کر سکے۔ اس تمام عرصہ میں سارے مغربی پاکستان میں لاکھوں مزدوروں کو بے روزگار کیا گیا۔ "ہوائی مارشل" نور خان نے وعدہ کیا تھا کہ مزدوروں کی اجرت کم سے کم ڈیڑھ سو روپے ماہوار رکھی جائے گی۔ مگر وہ اپنے تمام تر اختیارات کے باوجود صرف ۱۲۰ روپے ماہانہ کی اجرت مقرر کروا سکے۔

اشفاق احمد خان نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "نئی لیبر پالیسی کی آمد کا چرچا ہے۔ میں تجویز رکھوں گا کہ تمام موجودہ مزدور دشمن قوانین منسوخ کئے جائیں۔ ایسے قوانین بنائے جائیں جس میں صنعت کاروں کے منافع کی شرح کی بجائے مزدوروں کی محنت کو بنیاد بنایا جائے۔ موجودہ ہوشربا گرانی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مزدوروں کی اجرت مقرر کی جائے۔ کسی بھی ادارے کی آمدنی یا منافع کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ مزدوروں کو دیا جائے۔ دوسرا حصہ صنعت کار، تیسرا حصہ حکومت اور چوتھا حصہ سرمایہ کو دیا جائے۔ سرمایہ کا حصہ سرمایہ دار کو نہ دیا جائے بلکہ اس حصے کو ادارے کی ترقی اور مزدوروں کی بہبود پر صرف کیا جائے۔ اس حصے سے مزدوروں کے لئے کالونیاں، ہسپتال اور ان کے بچوں کے لئے اسکول تعمیر کئے جائیں۔ مزدوروں کے لئے کم سے کم اوقاتِ کار کا تعین کیا جائے۔ اداروں کے انتظام میں محنت کشوں کو شامل کیا جائے۔ ان کے لئے طبی، رہائشی اور تعلیمی سہولتوں کی فراہمی کے علاوہ تفریحی سہولتوں کا انتظام بھی کیا جائے۔"

انہوں نے ایک دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "ٹریڈ یونین کا مسئلہ، لیبر پالیسی کا حصہ ہے۔ اس سلسلے میں میرا تجربہ ہے۔ ٹریڈ یونین آج کے دور میں سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار بن کر رہ گئی ہے۔ جسے مزدوروں کو تقسیم کرنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کے ذریعہ محنت کشوں کو صرف اقتصادی جدوجہد تک محدود رکھا جا رہا ہے۔ میری تجویز ہے کہ صنعتی اداروں میں یونین سازی کی بجائے مزدوروں کی کونسلیں بنوائی جائیں۔ ان کونسلوں کو ہر ادارے کے مزدور براہ راست خود منتخب کریں۔ انہیں یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ مزدور جب چاہیں انہیں تبدیل کر دیں۔ مزدوروں کے معاملات میں محکمہ محنت یا کسی رجسٹرار کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہیئے۔ ان منتخب کونسلوں کے ذریعہ جو معاہدے مزدوروں اور سرمایہ داروں کے درمیان طے پائیں ان کی خلاف ورزی قابل دست اندازی پولیس جرم قرار دیا جائے۔ جس کی کم سے کم سزا ایک سال قید بامشقت رکھی جائے۔ مزدوروں کے حق ہڑتال پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں ہونی چاہیئے۔ وہ ۲۴ گھنٹے کے نوٹس پر ہڑتال کر سکیں۔ ماضی میں ہڑتالوں کے سلسلے میں انتظامیہ کا رویہ ہمیشہ جانب دارانہ رہا۔ جس کی وجہ سے صنعت کاروں نے مزدوروں پر بے انتہا مظالم کئے۔ میری تجویز ہے کہ انتظامیہ اس معاملے سے الگ تھلگ رہے۔ محنت کشوں پر اعتماد کیا جائے کہ وہ صنعتی اداروں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ نہ ہی امن و امان میں خلل ڈالیں گے۔ گذشتہ ایک ماہ سے سارے مغربی پاکستان میں مزدوروں کے مظاہروں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ محنت کش صنعتی اداروں کے دشمن نہیں، سب سے بہتر اور سب سے مخلص رفیق ہیں۔ جن اداروں پر مزدوروں نے خود کنٹرول کیا وہاں پیداوار کی شرح میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔"

زرعی اصلاحات کے بارے میں جواب دیتے ہوئے اشفاق احمد خان نے کہا۔ "ہماری پارٹی نے اپنے منشور میں جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی کے مکمل خاتمے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ محض سیاسی نعرہ نہ تھا۔ بلکہ ملک کے اقتصادی نظام کے صحیح تجزیے کی روشنی میں طے کیا گیا تھا۔ انتخابی منشور سے قبل پارٹی اپنی اساسی دستاویز میں یہ بات واضح طور پر کہہ چکی تھی کہ عوام جاگیرداری، سرمایہ داری سامراجی، اقتصادی اور سیاسی استحصال کا شکار رہے ہیں۔ اس کریہہ اور بھیانک استحصال کے مکمل خاتمے کے بغیر پاکستانی عوام ترقی اور خوش حالی سے ہمکنار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے پاکستان کے عوام آج بجا طور پر ہماری حکومت سے توقع رکھتے ہیں کہ مجوزہ زرعی اصلاحات میں وہ موجودہ جاگیرداری رشتوں کو مکمل طور پر ختم کرے گی۔ پارٹی نے حدِ ملکیت ۵۰ سے ۱۱۵ ایکڑ مقرر کی ہے۔ پارٹی اپنے منشور کے ہر لفظ کو پورا کرنے کی پابند ہے۔ دوسری تمام سیاسی پارٹیوں کے انتخابی منشور بھی ہمارے سامنے ہیں۔ کسی پارٹی کے منشور میں حدِ ملکیت ۲ سو ایکڑ فی خاندان سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے مجھے توقع ہے کہ زرعی اصلاحات کے پہلے مرحلے میں حکومت اراضی کی ملکیت کی حد ۲ سو ایکڑ فی خاندان سے زیادہ



۱۹۶۹ء کا مارشل لاء

مزدوروں کی جدوجہد کو

روکنے کے لئے لگایا گیا تھا

مقرر نہیں کرے گی۔ ہماری پارٹی کا نقطۂ نظر نہایت واضح ہے۔ پاکستان میں موجودہ جاگیرداروں کی وسیع اکثریت نے یہ جاگیریں انگریز سامراج کی وفاداری اور ہمارے عوام سے غداری کے صلے میں حاصل کی تھیں۔ اس لئے ایسی جاگیروں کی بلامعاوضہ ضبطی قائدِاعظم کی خواہشات کے عین مطابق ہوگی۔ جاگیرداریوں اور بڑی زمینداریوں کو توڑنا ضروری ہے۔ زمین کے چھوٹے چھوٹے مالکوں کو امدادِ باہمی کی زرعی انجمنوں میں مربوط کیا جائے ان انجمنوں پر مکمل طور پر ان کے ارکان کا کنٹرول ہو اور سرکاری ادارے صرف مشورانی فرائض انجام دیں۔ زرعی قرضوں کا سہل نظام قائم کیا جائے۔ یہ قرضے بلاسود اور طویل المیعاد اقساط میں واجب الادا ہوں۔ زرعی ترقیاتی بنک کا تجربہ بُری طرح فلاپ ہوا ہے۔ بنک کی سہولتوں سے صرف بڑے بڑے جاگیردار ہی فائدہ اٹھا سکے ہیں۔ اس قسم کے بنکوں کی بجائے زرعی قرضوں کی سوسائٹیاں قائم کی جائیں۔"

انہوں نے مارشل لاء جاری رکھنے یا اٹھانے کے مسئلہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا: "چیئرمین بھٹو سے لے کر عام کارکن مارشل لاء جاری رکھنے کے حق میں نہیں ہیں۔ اس لئے مختلف سیاسی پارٹیوں کا یہ مطالبہ کہ مارشل لاء ختم کیا جائے۔ اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ لیکن قومی اسمبلی کے انعقاد سے قبل یہ صورتِ حال برقرار رہے گی۔ اس لئے قومی اسمبلی کا اجلاس جس قدر جلد منعقد ہو اتنا ہی بہتر ہے۔ اس مطالبے میں صرف نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام کا کردار مثبت کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کو بھی زیادہ عجلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے جہاں تک چند رجعت پسند سیاسی پارٹیوں اور سیاسی کھلنڈروں کا تعلق ہے۔ ان کے پیشِ نظر قومی مفاد نہیں ہے بلکہ وہ عوام کی توجہ اصل مسائل سے ہٹا کر ملک میں انتشار اور نراجیت کی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں۔"

صوبائی خودمختاری کے بارے میں کہا: "ہماری قوم کی بدقسمتی رہی ہے کہ حکمران جماعتوں نے عوام کے حقیقی مسائل کو پس پشت ڈالنے کے لئے ہمیشہ غیر حقیقی بنیادوں کا سہارا لیا۔ مضبوط مرکز اور استحکام کے نام پر پاکستان کے مختلف علاقوں کے عوام کے حقوق کو پامال کیا۔ جس کا نتیجہ مشرقی پاکستان کی حالیہ صورتحال میں برآمد ہوا۔ ہمیں سابقہ حکمرانوں کی غلط اور عوام دشمن روش کو ختم کرنا ہوگا۔ ہمیں صورتِ حال کا حقیقت پسندی سے جائزہ لینا ہوگا۔ اور پاکستان میں بسنے والی تمام قومیتوں کے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور اقتصادی حقوق اور مفادات کے تحفظ کی بنیاد فراہم کرنا ہوگی۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ پاکستان کو وفاقی بنیادوں پر ایک ایسے سیاسی نظام کی ضرورت ہے۔ جس میں تمام صوبے اپنے اندرونی معاملات میں مکمل طور پر خودمختار ہوں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مفاد پرست عناصر کو جو اپنے محدود طبقاتی منفاد کو پوری قومیت کے مفاد کی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ اس بات کی آزادی دے دی جائے کہ وہ پاکستان کے اتحاد اور عوام کی سلامتی کو خطرہ میں ڈال دیں۔ آج امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج اور بھارتی توسیع پسند اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح پاکستان کے عوام کو ان کی آزادی اور خودمختاری سے محروم کر دیں۔ بھارت کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ یا پاک بھارت اور ایران افغانستان کی کنفیڈریشن کی تجاویز ان سامراجی ہتھکنڈوں کا حصّہ ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم عوامی سطح پر ان سازشوں کا مقابلہ کریں۔ ہر ممکن جدوجہد کریں۔"

اشفاق احمد خان نے کہا: "میرے سیاسی نظریات کی بنیاد عوامی مفادات سے وابستہ ہیں۔ میں کبھی بھی کسی ایسے اقدام یا تنظیم کا ساتھ نہیں دوں گا۔ جس سے عوام کے مفاد پر ضرب پڑتی ہو۔ میں ہر مصلحت اور ہر خوف سے بے نیاز ہو کر عوام کا ساتھ دوں گا۔ عوام کے ساتھ جیوں گا۔ عوام کے ساتھ مروں گا۔ یہی میرا اور وقت کا فیصلہ ہے۔"

———●———

انہیں عوام سے غدّاری اور برطانوی نو آبادکاروں سے وفاداری کے صِلے میں جاگیریں ملی تھیں

تمام جاگیروں کی بلامعاوضہ ضبطی قائدِاعظم کی خواہشات کے عین مطابق ہوگی

خوں بہا چاہیئے

یونس شرر

مجبوری کے جال کو توڑو
محرومی کے خیال کو چھوڑو
سنگینوں کے رُخ بھی موڑو
ایسے داتا ، مارو گولی
جس نے کھیلی خون کی ہولی

اپنے گھر کو آگ لگائیں
ہم ہی کب تک گولی کھائیں
ہم ہی کب تک جیل میں جائیں
کب تک اپنی جان گنوائیں
داتا اپنے کھیل رچائیں
معصوموں کا خون بہائیں
ایسے داتا ، مارو گولی
جس نے کھیلی خون کی ہولی

میری مانگ سے تارے ٹوٹے
میرے راج دُلارے چھوٹے
میری آنکھ کے پیارے چھوٹے
کتنے خون کے دھارے پھوٹے

دفتر والو! کالج والو!
آؤ! آؤ! میرے جیالو
گھیرا ڈالو! گھیرا ڈالو

اپنے ہاتھ ملوں کی رکھشا
اپنے ہاتھ کلوں کی رکھشا
اپنے ہاتھ دِلوں کی رکھشا
اپنے ہاتھ ہلوں کی رکھشا
ہم سے کھیتوں کھیتوں سونا
ہم سے دریا دریا چاندی
اپنے ہاتھ اُٹھیں تو طوفاں
اپنے ہاتھ اُٹھیں تو آندھی

اونچی اور کمندیں ڈالو!
رکشہ والو! ریڑھی والو!
ڈیوٹی چھوڑو اے بس والو!
گھیرا ڈالو! گھیرا ڈالو!

اپنے ہاتھ کٹائے کس نے
اپنے کھیت لٹائے کس نے
اپنے شہر گنوائے کس نے

افسر، آقا اور وڈیرے
ڈالو ان پر اپنے گھیرے

سُونے سُونے بام و در ہوں
اپنے ویراں شام و سحر ہوں
اُجڑی آنکھیں دیدۂ تر ہوں
فٹ پاتھوں پہ رات بسر ہوں

اونچے اونچے محلوں والو!
جتنا کھایا آج نکالو!
جرأت والو! ہمت والو!
ان پر آؤ، گھیرا ڈالو

مجبوری کے جال کو توڑو
محرومی کے خیال کو چھوڑو
سنگینوں کے رُخ بھی موڑو

ملک میں پرجا راج چلے گا
حکم عوامی آج چلے گا!
رکشہ والو! ریڑھی والو
اونچی اور کمندیں ڈالو
ایسے داتا ، مارو گولی
جس نے کھیلی خون کی ہولی



اس مضمون کے ایک اہم حِصّے کی کانٹ چھانٹ یقیناً مضمون نگار سے زیادتی کے مترادف ہے۔ اس حِصّے کا تعلق صنفِ نازک سے ہے۔ ہم صرف وہ حِصّہ شائع کر رہے ہیں جو ناانصافیوں سے متعلق ہے۔ (ادارہ)

کنٹونمنٹ بورڈ

راولپنڈی سے پشاور تک، بدعنوانیاں ہی بدعنوانیاں

اباسین

ملٹری لینڈز اینڈ کنٹونمنٹ راولپنڈی کے سکینڈلز کا سلسلہ اتنا طویل ہے، کہ اک عمر چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے۔ ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ راولپنڈی کے بارے میں راقم الحروف کی یہ دوسری رپورٹ ہے اور الفتح کی تیسری، لیکن اس کے باوجود قوم کے مجرم اپنی جگہ قائم و دائم ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بدنام زمانہ اور بدعنوان ترین ادارے کے تحفظ کے لئے شاید ملک کی تمام تر دفاعی قوت خرچ کر دی گئی ہے، یا پھر اس کی جڑیں یحییٰ خان کے بعد بھی اتنی گہری ہیں کہ کوئی اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

ذلالت اور ڈھٹائی کی اِس سے بڑی مثال اور کیا ہو گی کہ وہ لوگ الفتح میں اپنے خلاف اتنا کچھ پڑھنے کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتے اور ان کی اکڑی ہوئی گردنوں میں خم تک پیدا نہیں ہوتا کہتے ہیں بلڈ پریشر کے مریض ذرا سی بات پر مشتعل ہو جاتے ہیں اور ان پر دل کا دورہ وارد ہو جاتا ہے مگر ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ راولپنڈی کے ڈائریکٹر کے بارے میں یہ بات بھی غلط ثابت ہو گئی ہے۔ سی ڈی اے سے نکالے جانے کے بعد جب وہ موجودہ عہدے پر فائز کئے گئے تھے۔ تو سی ڈی اے کے فوری فراق میں ان پر اچانک دل کا دورہ پڑ گیا تھا اور وہ کمبائنڈ ملٹری ہسپتال میں داخل کر دیئے گئے تھے۔ مگر ہسپتال میں چار ماہ کے قیام کے دوران انہیں یہ یقین دلایا گیا کہ سی ڈی اے اور ملٹری لینڈز اینڈ کنٹونمنٹ کے ادارے میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ جس شئے سے انہیں دل کا دورہ پڑا تھا وہ شئے نئے ادارے میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ پھر کبھی ڈائریکٹر صاحب پر دِل کا دورہ نہیں پڑا۔ دل کا دورہ تو بڑی چیز ہے انہیں غصہ تک نہیں آتا۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ کیسے مریض ہیں کہ اُن سے مرض کی خصوصیات تک کا اظہار نہیں ہوتا جبکہ ایسے مریضوں کو بہت کم جانبر ہوتے دیکھا گیا ہے۔

میاں صاحب نے اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو بورڈز کے اداروں میں جی بھر کر ٹھونسا ان کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا۔ میاں صاحب نے اپنے ایک رشتہ دار کو جو محض کلرک تھا اپنے حکم سے ایس ڈی او مقرر کر دیا۔ کوئی ان کا بال بھی بیکا نہ کر سکا۔ (یہ ایس ڈی او صاحب آج کل ۵ - E - ۱۳ پشاور میں تعینات ہیں) میاں صاحب نے اپنے قلم کی ایک جنبش سے بائیس خاندانوں کے ایک خاندان، سہگلوں کو بورڈ کے ٹیکسوں کے سلسلے میں لاکھوں روپے کی چھوٹ دے دی۔ کسی کو اُن سے بات کرنے کی جرأت تک نہ ہوئی۔ میاں صاحب کی اس نوازش پر پاکستان ٹائمز میں بڑا شور و واویلا ہوا تھا۔ مگر ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ کے یتیم خانے میں کسی کی فریاد نہ سُنی گئی۔ پنڈی چھاؤنی میں شملہ کلاتھ ہاؤس کی لیشت پر رابطے کی ایک سڑک میاں صاحب نے ایک مستری کے پاس بیچ دی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کیونکہ بقول شخصے ایوان صدر کی حرم سرا کے لئے مذکورہ مستری کی خدمات بھی درکار ہوا کرتی تھیں۔ میاں صاحب کو جب سی ڈی اے کی ۹ سالہ ملازمت سے نکالا گیا تھا تو اُن کے بارے میں ایک رپورٹ بھی مرتب کی گئی تھی۔ مگر اِس رپورٹ کو بھی درخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا۔

میاں صاحب کی ملازمت کی تمام زندگی کی اگر مکمل پڑتال کی جائے اور اِس سلسلے میں متعلقہ تفصیلات جمع کی جائیں تو نسلوں کی عبرت کے لئے کافی ہوں گی۔

ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ کے ڈائریکٹر میاں اقبال صاحب راولپنڈی میں بیٹھ کر بورڈ کے باقی اداروں کو جس طرح لوٹتے اور بھنبھوڑتے رہے ہیں ان کی تفصیلات اتنی کم نہیں ہیں۔ راولپنڈی بورڈ کے بارے میں راقم الحروف اپنی پہلی رپورٹ میں بہت کچھ عرض کر چکا ہے۔ اس رپورٹ میں۔ میں نے ایس ایم حسنین کی چہرہ نمائی کی تھی۔ مگر درحقیقت ایس ایم حسنین میاں اقبال کا نقاب ہیں اور وہ میاں صاحب کے لئے دستخط کرنے کی کمیشن وصول کرتے ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ بورڈ کے ملازموں اور اداروں سے ایم ایل اینڈ سی کی جتنی بھی خط و کتابت ہوتی ہے اُس میں دستخط مسٹر ایس ایم حسنین ہی کے ہوتے ہیں۔

راقم الحروف کی خواہش تھی کہ وہ کنٹونمنٹ بورڈ پشاور کے بارے میں بھی ایک تفصیلی رپورٹ تیار کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کرے مگر مہلت نہ ملی۔ آج کی اس مختصر سی نشست میں پشاور بورڈ کے بارے میں چند باتیں حاضر خدمت ہیں۔ جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ میاں صاحب اور ان کے ہمزاد مسٹر ایس ایم حسین پنڈی میں بیٹھ کر ملک اور قوم کا لہو کس طرح نچوڑ رہے ہیں اور اس لہو کے لئے وہ بورڈ کے ملازمین کے ساتھ کس کس طرح کی بے انصافیاں کر رہے ہیں۔

(۱) کنٹونمنٹ بورڈ پشاور کے ایک تعلیمی ادارے کینٹ پبلک سکول کے ایک سابق پرنسپل مسٹر زیڈ اے قاضی کو چند ماہ قبل میاں صاحب اور مسٹر ایس ایم حسنین کی خوشنودی اور رضامندی سے ۲۵ ہزار روپے کی رقم پنشن اور گریجویٹی کے سلسلے میں ادا

زیڈ۔اے قاضی کی سات سالہ "خدمات" کی گریجویٹی ۲۵ ہزار روپے

کی گئی تھی۔ مسٹر زیڈ اے قاضی نے مذکورہ تعلیمی ادارے میں صرف سات سال تک "خدمات" انجام دیں۔ تین تین سال کے دو معاہدوں اور پھر ایک سال کی مزید توسیع کے مطابق وہ سات سال تک اس تعلیمی ادارے میں مقیم رہے۔ ملازمت کے آخری سال کے آخری ایّام میں طلباء کے شدید مظاہروں کے بعد بورڈ کے حکام نے ایک انکوائری کمیٹی کی رپورٹ پر مسٹر قاضی کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا تھا۔ بعدازاں مسٹر قاضی پنڈی چلے گئے اور وہاں انہوں نے اپنے پرانے محسنوں ایس ایم حسنین اور میاں اقبال کے ساتھ اپنے کاروباری مراسم کے ذریعے اپنے آپ کو پنشن کا مستحق بنوانے کی مہم شروع کر دی۔ پنشن کے قواعد کے مطابق مسٹر قاضی اپنی سات سالہ ملازمت کے عوض پنشن کے مستحق نہ تھے کیونکہ قواعد کے مطابق پنشن حاصل کرنے کے لئے کم از کم دس سال کی ملازمت کو بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے۔ اس قانونی سقم کو قاضی صاحب نے یوں دور کیا کہ انہوں نے پی اے الیف سکول سرگودھا میں انجام دی ہوئی اپنی دس سالہ ملازمت بھی بورڈ کی ملازمت میں شامل کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ یہ مطالبہ بھی فنی اعتبار سے غلط تھا کیونکہ سول سروس رولز کی دفعہ ۴۵۶ کے مطابق بورڈ کی ملازمت میں صرف ان ہی افراد کی سابقہ ملازمت شامل کی جا سکتی ہے جو افواج پاکستان کی باوردی ملازمت کر چکے ہوں۔ مسٹر قاضی چونکہ پی اے الیف سکول میں دینیات کے ایک معمولی سویلین ٹیچر تھے اور ان کی ملازمت باوردی ملازمت نہ تھی اس لئے وہ اس بات کے حق دار نہ تھے کہ ان کی سرگودھا کی دس سالہ ملازمت بورڈ کی ملازمت میں شامل کی جاتی۔ مگر یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ مسٹر قاضی۔ ایس۔ ایم حسنین اور میاں اقبال کے ذریعے ان قواعد کی خلاف ورزی کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور بورڈ کی طرف سے انہیں ۲۵ ہزار روپے میں سے تین چوتھائی رقم یعنی تقریباً ۱۹ ہزار روپے کا ابتدائی چیک بھی جاری کر دیا گیا۔ پشاور میں مقیم نمائندہ مساوات کو جب اس رقم کی ادائیگی کا علم ہوا تو معاملہ اخبارات تک آگیا اور اگلے ہی روز پاکستان سپیشل پولیس نے چھاپہ مار کر متعلقہ ریکارڈ پر قبضہ کر لیا، اور بنک کو ہدایات جاری کر دی گئیں کہ ادائیگی روک دی جائے۔ تحقیقات شروع ہوئی تو کئی باتوں کا انکشاف ہوا (۱) یہ کہ پنشن کے لئے خط و کتابت کے سلسلے میں مقامی حکام کی طرف سے پنشن کی ادائیگی کو قواعد کے خلاف قرار دیا گیا تھا (۲) مقامی حکام نے مسٹر قاضی کو ہدایت کی تھی کہ وہ اپنی پچھلی بک سروس مہیا کریں جو انہوں نے کینٹ پبلک سکول میں پرنسپل بنائے جانے کے بعد سے سبکدوش ہونے تک مہیا نہیں کی تھی۔ مسٹر قاضی کو کہا گیا تھا کہ وہ پی اے الیف سکول سرگودھا کے حکام سے تحریری طور پر یقین دہانی مہیا کریں کہ وہ مسٹر قاضی کی سرگودھا کی دس سالہ ملازمت کے سلسلے میں پنشن میں اپنا حصّہ بھی ادا کریں گے۔ اس کے علاوہ مسٹر قاضی سے ان کے چہرۂ اقدس کی دمیک اپ کے بغیر) تین عدد تصویریں مانگی گئی تھیں۔ ریکارڈ میں مسٹر قاضی کی تصویریں تو موجود تھیں مگر باقی کوئی شئے نہ تھی۔ اس ریکارڈ میں مسٹر قاضی کی پنشن کے بارے میں آڈٹ رپورٹ بھی تھی۔ جس میں مسٹر قاضی کی پنشن کے مطالبے کو غلط قرار دیا گیا اور سول سروس رولز کی دفعہ ۴۵۶ کا حوالہ دیا گیا تھا۔ ان انکشافات کے بعد کچھ عرصہ تک تحقیقات جاری رہی (ریکارڈ ابھی تک سپیشل پولیس کے پاس موجود ہے۔) مگر پھر پتہ چلا کہ ایم ایل اینڈ سی کی طرف سے مسٹر قاضی کے لئے نیا چیک جاری کرنے کے احکامات صادر کر دیئے گئے میری اطلاع کے مطابق مسٹر قاضی ۱۹ ہزار روپے ہضم کر چکے ہیں اور باقی ایک چوتھائی کا مطالبہ بھی کر رہے ہیں۔ یہ سب کیوں ہوا اور کیسے ہوا اس کی تفصیلات بھی سنئے۔

معلوم ہوا ہے کہ ایم ایل اینڈ سی کے مسٹر ایس ایم حسنین اور مسٹر میاں اقبال نے ملٹری اکاونٹس والوں کی کسی رولنگ

بورڈ کے ٹیکسوں کے سلسلے میں سہگل خاندان کو لاکھوں روپے کی چھوٹ دی گئی۔

پر اس ادائیگی کو جائز قرار دے دیا تھا۔ جب کہ ماہرین قواعد کا کہنا ہے کہ اس ضمن میں ملٹری اکاونٹس والوں کو رولنگ دینے کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ ایک سول ادارہ ہے۔ اور یہ سول قوانین کے تابع ہے۔ چونکہ ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ کا سرمایہ براہ راست عوام سے وصول کیا جاتا ہے اور اس کا تعلق افواج پاکستان کے فنڈ سے حاصل نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اس کے معاملات میں ملٹری اکاونٹس والوں کی رولنگ قانونی حیثیت نہیں رکھتی۔ آڈٹ والوں نے مذکورہ غیر قانونی ادائیگی کے سلسلے میں سول سروس رگولیشن کی جس دفعہ کا حوالہ دیا تھا وہ ملک کے قانون کا مسلّمہ ضابطہ تھا۔ جس میں کسی اور فرد کو ترمیم و تنسیخ کا حق نہیں سوائے آئین ساز اسمبلی یا صدر مملکت کے، اور یہ میاں صاحب کے قلم دانِ فراست کا کمال ہے کہ انہوں نے اور ان کے مشیر خاص نے سب کو اُلّو بنا کر عوام کے خون پسینے کی دولت میں سے ۲۵ ہزار روپے ایک ایسے شخص کو دلوا دیئے جسے پشاور کے اکثر لوگ تھوک تھوک کر یاد کرتے ہیں۔ مسٹر قاضی کے بارے میں جو تفصیلات معلوم ہوئی ہیں وہ یوں ہیں کہ وہ پشاور میں اپنے دیگر کئی ساتھیوں کے ساتھ میاں اقبال اور ایس ایم حسنین کے مستقل مندوب تھے۔ وہ پشاور میں آسامیاں پیدا کرتے تھے اور میاں صاحب اور حسنین صاحب کی جیب گرم کرواتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مسٹر قاضی اپنی سروس بک دکھائے بغیر ہی سات سال تک پرنسپل بنے رہے بھاری تنخواہیں اور الاؤنس وصول کرتے رہے اور پھر جاتے جاتے ۲۵ ہزار روپے نقد بھی وصول کر گئے اور اب تقریباً چار سو روپے پنشن وصول کر رہے ہیں۔ قاضی صاحب پی اے الیف سکول سرگودھا میں دینیات کے ٹیچر تھے۔ دس سال تک دینیات پڑھاتے رہے۔ جب ملازمت چھوڑی تو ان کی تنخواہ تقریباً چار سو روپے بنتی تھی اور ۱۳۰ روپے ماہوار کی پنشن کے اہل قرار دیئے گئے تھے۔ مگر آج وہی قاضی صاحب ہیں جو سات سالوں تک تقریباً بارہ سو روپے ماہوار تنخواہ وصول کرتے رہنے کے بعد چار سو روپے پنشن وصول کر رہے ہیں۔ خدا جانے وہ کن بدنصیبوں کا حق مارتے رہے ہیں اور اب بھی نہ جانے کن بدنصیبوں کا حق مار رہے ہیں۔ یہ سب کچھ میاں اقبال اور ایس ایم حسنین صاحب کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ مگر ان سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی جا سکتی

گزشتہ چار پانچ ماہ سے کینٹ پبلک سکول کے اساتذہ کی یونین کے جنرل سیکرٹری مسٹر ایم آئی تاجک اپنی غیر قانونی برطرفی کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔ قانونی اور آئینی جنگ مگر ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ اس کے برعکس اسی سکول کے ایک اور فرد جس کو سکول کے طالب علموں نے سکول کے ایک کمرے میں بدچلن عورت کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا اور بعد میں برطرف کر دیا گیا تھا۔ مسٹر ایس ایم حسنین اور میاں اقبال کی بدولت اپنی ملازمت پر بحال ہو چکے ہیں۔

مسٹر تاجک پچھلے پانچ سالوں کے مذکورہ سکول میں پڑھاتے رہے تھے۔ وہ ایم اے پولیٹیکل سائینس اور ایم اے ہسٹری کے علاوہ

انکوائری کمیٹی کے منع کرنے کے باوجود میاں اقبال نے چیک جاری کر دیا

سی ٹی امتحان بھی پاس کئے ہوئے تھے۔ مگر انہیں ملازمت سے یہ کہہ کر برطرف کر دیا گیا کہ وہ بی ایڈ نہیں ہیں۔

(۱) مسٹر تاجک کو جس وقت ملازمت کا پروانہ دیا گیا تھا۔ اُس وقت معاہدے میں بی ایڈ کی شرط نہ رکھی گئی تھی (۲) مسٹر تاجک کے ساتھ جن دوسرے افراد کو ملازمت کا پروانہ دیا گیا تھا۔ اُن کے معاہدے میں بی ایڈ کی شرط کو لازمی قرار دیا گیا تھا۔ (۳) مسٹر تاجک کو کالج میں پڑھانے کے لئے ایک سو روپے کے خصوصی الاؤنس کا بھی مستحق قرار دیا گیا تھا اور صرف ایک سال تک کی آزمائشی ملازمت کی شرط رکھی گئی تھی لیکن پانچ سالوں کی بہترین ملازمت کے بعد بورڈ نے انہیں ملازمت سے برطرف کر دیا۔ یہ کہہ کر کہ وہ بی ایڈ نہیں۔

ان پانچ سالوں میں مسٹر تاجک کو مختلف بہانوں سے ۲ مرتبہ ملٹری انکوائری کے سلسلے میں اپنے سے کم تعلیم یافتہ مگر زیادہ بااختیار افسروں کے سامنے پیش ہونا پڑا اور ان کی ٹریڈ یونین سرگرمیوں کے بارے میں چھان بین کی گئی۔ مسٹر تاجک کو ہر طرح سے مجبور کیا گیا کہ وہ بورڈ کے انتظامی امور اور سکول کے معاملات میں اپنی قانونی مداخلت بند کر دیں۔ مگر مسٹر تاجک ان احکامات کی تکمیل نہ کر سکے۔ سکول اور کالج کے پرنسپل مسٹر زیڈ اے قاضی جن کے بارے میں اُوپر مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ مسٹر تاجک کو ایک سرکش اور گستاخ خیال کیا کرتے تھے۔ ان کے خیال میں مسٹر تاجک کا اندازِ فکر "اسلام خطرے میں ہے" طرز کا تھا۔ اور بھی بہت سی خامیاں تھیں مسٹر تاجک میں مگر انہیں ملازمت سے برطرف کرنے والوں نے برطرفی کے نوٹس میں ان پر سوائے اس کے کہ وہ بی ایڈ نہیں، اور کوئی الزام نہ لگایا۔ بعد ازاں جب مسٹر تاجک ایگزیکٹو آفیسر لشا اور مسٹر عبدالغفار خان سے بات چیت کے لئے گئے اور اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے برطرفی کے حکم کو غلط قرار دینے کی کوشش کی تو ایگزیکٹو آفیسر نے انہیں بتایا کہ بھائی ——— میں مجبور تھا تم پر ملٹری انکوائری کمیٹی کا یہ الزام ہے کہ تم بائیں بازو کی سوچ رکھتے ہو ——— اور یہ کہ تمہارے بارے میں پنڈی سے خاص ہدایت آئی تھی اور یہ ہدایت کس کے اشارے اور کس کے حکم سے آئی تھی۔ قارئین خود سوچ سکتے ہیں۔ مسٹر تاجک کو اس بات کا بے حد افسوس ہے کہ اُن کے بزدل دشمنوں نے اُن کے بارے میں جو رائے قائم کی تھی وہ اُس کا تحریری اظہار بھی نہیں کر سکے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس طرح کینٹ پبلک سکول اور کالج کے وہ تمام اساتذہ ننگے ہو سکتے تھے جو جماعت اسلامی کے لئے اور قیوم لیگ کے لئے اپنی کلاسوں میں باقاعدہ تبلیغی پیریڈ لیتے تھے

مسٹر تاجک پچھلے چار ماہ سے ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ کے ظالموں اور جابروں کے خلاف کاغذی جنگ لڑ رہے ہیں مگر ابھی تک اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا ——— وہ اب تک ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ راولپنڈی کے ڈائریکٹر کو متعدد نوٹس بھجوا چکے ہیں اور تاحال اپنی اپیل کے فیصلے کے منتظر ہیں۔

نمائندہ حکومت کے قیام کے بعد مسٹر تاجک نے میاں اقبال کو ایک تار بھیجا تھا۔ جس میں گزارش کی گئی تھی کہ اُن کی اپیل کا جلد سے جلد فیصلہ کیا جائے ورنہ وہ اپنا مقدمہ صدر مملکت کو بھجوا دے گا۔ مسٹر تاجک کو اس تار کے بارے میں بے حد خوش فہمی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ایم ایل اینڈ سی کا ڈائریکٹر گھبرا کر جلد از جلد فیصلہ کر دے گا۔ مگر اُن کی یہ خوش فہمی بھی پوری نہ ہوئی۔ پھر انہوں نے فون پر ایس ایم حسنین سے متعدد مرتبہ فیصلے کا مطالبہ کیا۔ مگر ہر مرتبہ انہیں یہی تسلی دی گئی کہ دو ایک روز میں فیصلہ ہو جائے گا۔ مسٹر ایس ایم حسنین نے فون پر ہنس ہنس کر مسٹر تاجک کو یقین دلایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں اور پھر باتوں باتوں میں الفتح کا ذکر چھیڑ دیا۔ انہوں نے بڑی چالاکی سے مسٹر تاجک سے راقم الحروف کی اس رپورٹ کے بارے میں پوچھا

اسکول میں مسٹر تاجک کی موجودگی سے، اِسلام خطرے میں پڑ گیا

جس پر میرا قلمی نام درج تھا اور جس میں مسٹر حسنین اور ان کے ڈائریکٹر کا کچا چٹھا کھولا گیا تھا۔ مسٹر تاجک کی طرف سے اُس رپورٹ کے بارے میں لاعلمی کے اظہار پر مسٹر حسنین نے خود ہی یہ شوشہ چھوڑا کہ کراچی بورڈ کے ایگزیکٹو آفیسر عبدالجلیل نے انہیں اطلاع دی ہے کہ وہ رپورٹ مسٹر تاجک نے لکھی تھی۔ قارئین کرام مسٹر حسنین کی چالاکی اور مکاری ملاحظہ کیجئے کہ انہوں نے کراچی کے جس ایگزیکٹو آفیسر عبدالجلیل خان کا حوالہ دیا ہے بورڈز کی دنیا میں اُس عبدالجلیل کو حسنین کا سب سے بڑا دشمن سمجھا جاتا ہے مگر مسٹر حسنین نے عبدالجلیل کا نام اس انداز سے استعمال کیا گویا وہ اس کا لنگوٹیا ہو۔ اس گفتگو کے دوران مسٹر حسنین نے اچانک یہ انکشاف بھی کیا کہ انہیں کوئی بھی ان کے موجودہ عہدے سے نہیں ہٹا سکتا، پھر فوراً ہی ذرا سے توقف کے بعد فرمایا۔ دراصل میں لوگوں کی مشکلات دور کرتا ہوں۔ لوگوں کے کام کرتا ہوں جیسے آپ کا (تاجک کا) کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے ایسے شخص کو کون عہدے سے ہٹا سکتا ہے جو دوسروں کے کام آتا ہو ——— ان مکالمات کے بعد مسٹر تاجک کو میاں اقبال کے ساتھ بھی فون پر گفتگو کرنے کا موقع ملا تھا اور وہ گفتگو ایسی تھی جو کم از کم الفتح میں شائع ہونے کے قابل نہیں ہے۔ قارئین کے لئے صرف اتنا عرض ہے کہ مسٹر تاجک کے ساتھ میاں اقبال صاحب نے جس زبان میں گفتگو کرنے کی کوشش کی تھی وہ اتنی شستہ نہ تھی جتنی مسٹر تاجک کی تھی۔ میاں اقبال صاحب کو یقیناً اپنی افسری اور ایوان صدر کے ساتھ اپنے پچھلے مراسم کی وجہ سے بہت سا گھمنڈ تھا۔ مگر انہیں یہ تجربہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا کہ ایک ٹیچر اپنی عزت نفس کے لئے بعض اوقات زبان ایجاد بھی کر لیا کرتا ہے۔ میری معلومات کے مطابق میاں اقبال کو مسٹر تاجک کے ساتھ جو گفتگو کرنے کا موقع حاصل ہوا تھا وہ اتنا شدید ضرور تھا کہ میاں اقبال صاحب اپنا بلڈ پریشر نہ روک سکے، اور اس کے ردِ عمل کا تو اگلے روز پتہ چلا جب فون پر ہی مسٹر حسنین، ایم آئی تاجک سے ملٹری لینڈ اینڈ کنٹونمنٹ کے ڈائریکٹر کی طرف سے معافی طلب کر رہے تھے۔ مسٹر حسنین کا کہنا تھا "تاجک صاحب بوڑھا ہے معاف کر دو، اور پھر اب لڑنے جھگڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے میں نے جب آپ کو تسلی دے دی ہے کہ آپ بحال کر دیے جائیں گے تو پھر فکرمند رہنے کی کیا بات ہے۔" انہوں نے بتایا کہ مسٹر تاجک کا مقدمہ لاء منسٹری میں بھجوایا گیا ہے، اور مسٹر حسنین نے اپنے دستِ مبارک سے اُس پر اپنا ڈی او لکھا ہے کہ برطرفی کا فیصلہ قانونی طور سے غلط تھا۔ یقین تو نہیں آتا کہ ایس ایم حسنین نے اس قسم کا ڈی او لکھا ہو۔ مگر سر دست یقین کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر یہ بات سچ ہو گئی یعنی مسٹر تاجک بحال ہو گئے تو پھر یہ الفتح کا کمال ہو گا۔

قارئین کرام طوالت کے ڈر سے میاں اقبال اور ایس ایم حسنین کے کارناموں کی باقی تفصیلات کسی آئندہ کی نشست تک اٹھا رکھتا ہوں ——— انشاء اللہ "پردہ چاک" کا یہ سلسلہ ابھی بہت سے میاں اقبالوں اور حسنینوں کو بے نقاب کرتا رہے گا۔

کراچی طبقاتی جنگ کا سب سے بڑا مرکز ہے

حبیب اللہ

داؤد اور ولیکا

رہائی کے بعد

محنت کشوں کے خلاف

سازش کر رہے ہیں

الفتح رپورٹ

کراچی سرمایہ داروں اور مزدوروں، اجارہ داروں اور محروموں، امیروں اور غریبوں، لوٹنے والوں اور لوٹے جانے والوں کی طبقاتی جنگ کا پاکستان میں سب سے بڑا مرکز ہے۔ نمائندہ حکومت جسے مغربی پاکستان کے مزدوروں، کسانوں، طالب علموں اور محروم طبقے کی حمایت حاصل ہے۔ اسے اتفاق کہیئے کہ حکومت نے سرمایہ داروں کے جتھا داریوں پر اپنا پہلا وار اسی شہر سے کیا۔ جنرل حبیب اللہ رگندھارا انڈسٹریز) گرفتار کئے گئے اور پھر پاکستان کے برلا احمد داؤد اور ٹاٹا ولیکا کو جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ سرمایہ داروں نے مزدوروں کے خلاف کارروائیاں تیز کر دیں۔ اس پر صدر مملکت نے للکارا تالہ بندی نہیں ہوگی گورنر سندھ نے حکم دیا کہ جنوری ۱۷ء سے نکالے جانے والے مزدوروں کو کام پر واپس لیا جائے۔

آج حبیب اللہ، داؤد اور ولیکا رہا ہو چکے ہیں۔ لیکن مزدوروں کے خلاف ان کی تند و تیز اور قہر آلود سرگرمیاں ختم نہیں ہوئیں۔ صنعتی علاقے میں مزدوروں کی برطرفیاں، چھانٹی اور تالہ بندی کا سلسلہ جاری ہے۔ حافظ ٹیکسٹائل ملز کا واقعہ حکومت کے لئے چیلنج بنا رہا ہے۔ معراج محمد خان نے مالکان کو ملز چلانے کے لئے آمادہ کرنے پر پورا زور لگا دیا۔ لیکن یہ نابینا صنعت کار ٹس سے مس نہیں ہوا، بالآخر اس نے حکومت کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ مجھے قرض دلواؤ تب میں ملز چلاتا ہوں، گورنر سندھ نے یہ مطالبہ منظور کر لیا۔ اس پر نابینے صنعت کار نے ملز چلانے کا مزدوروں کا مطالبہ تسلیم کیا۔ تب کہیں سات روزہ بھوک ہڑتال ختم ہوئی۔

عوامی امور کے صدارتی مشیر معراج محمد خان نے بلاشبہ مزدوروں میں موجودہ بے چینی اور اضطراب ختم کرانے کے لئے جو خدمات انجام دی ہیں۔ وہ قابل قدر ہیں۔ معراج نے سرکاری حیثیت اور نوکر شاہی کے بل بوتے اور بیساکھیوں کو استعمال نہیں کیا، بلکہ عوامی انداز میں رات دن صنعتی علاقے میں صنعتی امن کے لئے کام کرتے ہیں۔ اس کے صلے میں مزدوروں نے شاید کراچی کی تاریخ میں پہلی بار کسی رہنما کو اتنا بڑا اعزاز عطا نہیں کیا، جو معراج کو "مزدوروں کی آن، معراج محمد خان" کے نعروں اور مقبولیت کے طور پر ملا ہے۔

یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اس نازک صورت حال میں معراج محمد خان اسلام آباد کے مقابلے میں کراچی کو ترجیح نہ دیتے تو آج نقشہ بدلا ہوا ہوتا اور پھر مزدوروں کی بے چینی ایک شہر تک محدود نہیں رہتی۔



کارپوریشن کے پہلے مالی سال میں ایک کروڑ روپے سے زائد کا خسارہ

سندھ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن

لاکھوں روپے کا سامان غائب

نون - الف

ون یونٹ کی لعنت ختم ہوئی تو ویسٹ پاکستان روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کو تقسیم کر دیا گیا۔ یکم جولائی ۱۹۷۰ء کو سندھ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن وجود میں آئی۔ پہلے مالی سال کے خاتمے کے بعد نوکر شاہی اور رشوت خور افسران کے ہاتھوں کارپوریشن کو اندازاً ایک کروڑ روپے کا عظیم خسارہ برداشت کرنا پڑا۔ خسارہ کا امکان کچھ زیادہ ہی لگایا جاتا ہے۔ کیونکہ ۳۰ جون ۱۹۷۰ء تک سندھ کے چار ڈپوؤں کراچی اومنی بس سروس ملیر، کراچی اومنی بس سروس کورنگی جی ٹی ایس حیدرآباد۔ جی ٹی ایس سکھر اور ہیڈ کوارٹر آفس کراچی سے صحیح اعداد و شمار کے بیلنس شیٹ نہیں بھیجے گئے۔ اگر کارپوریشن کو چلانے والے ایماندار اور محب وطن ہوتے تو آئندہ مالی سال یعنی ۱۹۷۱-۷۲ء کے لئے ایسی پالیسی مرتب کرتے جس سے کارپوریشن کو مالی فائدہ ہوتا اور خسارہ بھی پورا کر لیا جاتا۔ مگر کارپوریشن کے مفاد پرست طبقے نے صحیح خطوط پر چلنے سے قصداً گریز کیا۔ بدانتظامی اور بدعنوانی کو جاری رکھا گیا۔ فاضل پرزوں کی خریداری میں لاکھوں روپے کا سامان غائب کیا گیا۔ افسروں کی فوج بھرتی گئی اور مختلف مدوں میں اخراجات کا دائرہ اتنا بڑھا دیا گیا کہ کارپوریشن کی نیو بیٹھتی چلی گئی۔ کارپوریشن کے ارکان نے جب دیکھا کہ اس طرح ان کی مرغی سونے کا انڈہ دینا بند کر دے گی اور پچھلے کاروبار ٹھپ ہو جائے گا تو وہ فوراً سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ کارپوریشن کے اخراجات کو کم کرنے کے لئے انہوں نے نچلے درجے کے غریب ملازمین کی چھانٹی کا منصوبہ تیار کیا۔ چونکہ مسئلہ چھوٹے اور کم تنخواہ کے ملازمین کی برطرفی کا تھا۔ اس لئے اس اسکیم پر فوراً عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔ کم تنخواہ والے تقریباً چار سو پچاس ملازمین جس میں ورکشاپ اور ٹریفک کلینرز اور جونیئر کلرک شامل تھے برطرف کر دیے گئے۔ کارپوریشن کی اس کھلی ہوئی دھاندلی پر لیبر یونینوں اور ترقی پسند پارٹیوں نے احتجاج بلند کیا۔ برطرف شدہ ملازمین کی فوری بحالی پر زور دیا۔ مگر کارپوریشن کی بدعنوان نوکر شاہی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ انہوں نے چھوٹے اور کم تنخواہ پانے

بجٹ کا بڑا حصہ افسروں کے کمروں کی سجاوٹ پر صرف ہوجاتا ہے۔

والے ملازمین کی ایک بڑی تعداد کو بے روزگار کر کے، اپنے ذاتی خسارے کا بجٹ پورا کر لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض ذرائع سے اس بے انصافی کی اطلاع اعلیٰ سرکاری حکام تک پہنچائی گئی۔ مگر فوجی جنتا سے تعلق رکھنے والے بعض جرنلوں اور کرنلوں کی بے جا مداخلت سے انصاف کے تقاضوں کو پورا نہ کیا جا سکا فوجی جنتا کی رعونت اور افسر شاہی کی ریاکاری نے اس ادارے کی مٹی پلید کر کے رکھ دی۔

اس تباہ کن اقدام کا مقصد غریب ملازمین کو برطرف کر کے انہیں معاشی بحران میں مبتلا کرنا تھا۔ ادارے کو اس جابرانہ پالیسی سے کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ البتہ اعلیٰ اور انتظامی افسران نے اس کے ذریعہ اپنی نااہلی اور بدعنوانی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ ان سفید ہاتھیوں کو نکالے بغیر کارپوریشن کارآمد ثابت نہ ہو گی۔ اس کی موجودہ شکل سے عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

سندھ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن ایک قومی اور خود اختیار ادارہ ہے۔ انتظامی اختیارات نوکر شاہی کے تین اعلیٰ افسروں کے درمیان تقسیم ہیں۔ کارپوریشن کے یہ اعلیٰ افسران سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ ادارے کو خسارے میں چلانے کی تمام تر ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی لوگ پالیسیاں مرتب کرتے ہیں۔ یہ تینوں افسر مختلف سرکاری محکموں سے حکومت کی جانب سے نامزد کئے جاتے ہیں۔ کارپوریشن کے تمام معاملات یہی افسرانِ بالا چلاتے ہیں۔ انہیں کارپوریشن کی زبوں حالی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ نہ ہی قومی مفاد کے پیشِ نظر یہ کام کرتے ہیں۔ کارپوریشن کی انتظامی اور مالی حالت دن بدن گرتی جا رہی ہے۔ اس ادارے کے کارکنوں کا اندازہ ہے کہ ان افسروں نے کارپوریشن کو تباہ کرنے کی کوئی خفیہ سازش تیار کر رکھی ہے۔ ان کا پرائیویٹ مالکان

"ٹرانسپورٹ ہاؤس" کو چند افسروں کی رہائش گاہ بنا دیا گیا

سے درپردہ سمجھوتہ ہے۔ جس کا مقصد کارپوریشن کو بتدریج تباہ و برباد کرکے، شہر کے مختلف روٹوں پر پرائیویٹ مالکان کی اجارہ داری قائم کرنا ہے۔ اس سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے انہوں نے جو پالیسیاں بنائی ہیں وہ کارپوریشن کی مکمل تباہی کا سبب بن رہی ہیں۔ اس ادارے کے ملازمین اپنے مستقبل سے مایوس ہیں۔ کارپوریشن کی تباہی کی صورت میں ہزاروں ملازمین بے روزگار ہوں گے۔ پبلک اس ادارے سے مطمئن نہیں ہے حالانکہ یہ ان کا اپنا ادارہ ہے، مگر اسے اپنی جائیداد کے برابر درجہ دینے کے لئے تیار نہیں۔ اس کی بڑی وجہ اس کی تکلیف دہ اور ناکارہ کارکردگی ہے۔

اس ادارے کی کارکردگی معلوم کرنے کے لئے ۴ر جون ۱۹۷۰ء کو پبلک اکاؤنٹس کمیٹی بنائی گئی تھی۔ اس کمیٹی میں ممتاز حسن کے علاوہ ۱۴ ممتاز شہری شامل تھے۔ اس نے جو رپورٹ تیار کی اس کی چیدہ چیدہ باتیں درج ذیل ہیں۔

"کمیٹی کا خیال ہے۔ کارپوریشن کا انتظام ناقص ہے۔ اگر بسوں کو آرڈر میں چلایا جائے تو شیڈول ٹائم تبدیل کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ انتظامی معاملات اور مالی امور میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔ جس کے نتیجے میں یہ عوامی ادارہ اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

کارپوریشن کی گاڑیوں کو صحیح حالت میں نہیں رکھا گیا۔ عوام کی ضرورت کے مطابق گاڑیوں کی تعداد میں اضافہ نہیں کیا گیا۔ روٹوں پر چلنے والی بسوں کی طرف سے سنگین غفلت اور لاپرواہی کا مظاہرہ کیا گیا۔ جس کی وجہ سے کارپوریشن کو منافع کی بجائے خسارہ اٹھانا پڑا۔"

"مختصراً کارپوریشن کی ناکارہ کارکردگی کی اصل وجہ انتظامیہ کی مالی، تکنیکی اور انتظامی امور میں نااہلی اور غلط پالیسیاں ہیں۔"

یہ ہے اس کمیٹی کی رپورٹ کے چند تلخ ترین حقائق جس کی قیادت ممتاز حسن کر رہے تھے اور جس میں مسٹر اے ایم جعفری اوالیس ڈی (پی اے سی) جیسے ماہرین بھی شامل تھے۔

نوکر شاہی کے دل میں ذرہ برابر بھی ہمدردی ہوتی تو شاید پبلک کمیٹی کی رپورٹ کی روشنی میں کارپوریشن کے حالات، درست کئے جاتے۔ مگر نوکر شاہی تو ٹھہری نوکر شاہی۔ اسے عوام کے مفاد کا کہاں خیال ــــ؟ رپورٹ کو سرد خانے میں ڈال دیا گیا۔ اور پرانی روش برقرار رکھی گئی۔ دو سو پچاس ملازمین کو بے روزگار کرنے کے باوجود کارپوریشن کی نوکر شاہی کو چین نہ آیا۔ اور ایک بار پھر مزید افراد کو برطرف کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ اس بار نوکر شاہی اپنے مکروہ منصوبے میں محض اس وجہ سے ناکام رہی کہ ۵ر نومبر ۱۹۷۱ء کو یونین اور انتظامیہ میں ایک معاہدہ ہوا تھا۔ جس کی رو سے انتظامیہ ملازمین کو برطرف نہیں کر سکتی تھی۔ انتظامیہ نے ڈائریکٹر لیبر ویلفیئر کراچی کے احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جب کارپوریشن کے نچلے درجے کے ملازمین کو برطرف کرنے کے لئے قدم اٹھایا تو کراچی اومنی بس سروس ورکرز یونین کی جانب سے ہڑتال کا نوٹس دے دیا گیا۔ اس نوٹس میں ۱۹۷۰-۷۱ء کے مالی سال کے لئے بونس کا مطالبہ بھی شامل تھا۔ یونین نے ملک کی سنگین صورت حال کے پیش نظر ہڑتال پر جانے کی بجائے اس معاملے کو لیبر کورٹ میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔

نوکر شاہی کارپوریشن کو کس طرح لوٹ رہی ہے اس کی چند مثالیں درج ہیں۔

ہیڈ کوارٹر میں افسروں کے کمروں کو غیر ضروری طور پر مزین کیا گیا ہے۔ کارپوریشن کے چیئرمین، رکن ایڈمنسٹریشن، رکن

قومی نقصان کی نشاندہی کرنے والوں کو خوفزدہ کیا جاتا ہے

مالیات، سیکرٹری، ڈپٹی ڈائریکٹر فنانس اینڈ اکاؤنٹ، ڈپٹی ڈائریکٹر ٹیکنیکل۔ ڈپٹی ڈائریکٹر (آپریشن)، اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے کمروں کی سجاوٹ پر لاکھوں روپے برباد کئے گئے ہیں۔ لیبر ویلفیئر افسر، عوامی رابطہ افسر اور کئی دوسرے افسروں کی تنخواہیں بھاری بھر کم رکھی گئی ہیں۔

۱۹۷۱-۷۲ء میں کارپوریشن کا بجٹ ۶ لاکھ روپے کا رکھا گیا۔ اس میں سے ہر ماہ ۵۰ ہزار روپے صرف ہیڈ کوارٹر کے دفاتر پر صرف کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس رقم کا ایک بڑا حصہ افسروں کی بڑی بڑی تنخواہوں، الاؤنس میڈیکل بلز، گاڑیوں کے پٹرول پر لٹاتے جاتے ہیں۔ کارپوریشن کے زیادہ تر افسروں کو مفت رہائشی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ جب کہ ان کے بنگلوں کا کرایہ ہر ماہ ۹۰۰ روپے تک ہے۔ کچھ افسروں کو اسٹاف الاؤنس، مکان کا کرایہ، آمد و رفت کا کرایہ مقررہ ریٹ پر دیا جاتا ہے۔ جب کہ نچلے درجے کے ملازمین کو یہ الاؤنس بہت معمولی ریٹ پر دیے جاتے ہیں۔ ہیڈ کوارٹر کا دفتر ڈرگ روڈ کی شاندار عمارت میں قائم کیا گیا ہے۔ جس کا کرایہ ہر ماہ دو ہزار دو سو روپے ہے۔ کارپوریشن کا گارڈن روڈ پر اپنا ایک بنگلہ بھی ہے "ٹرانسپورٹ ہاؤس"۔ اس میں ہیڈ کوارٹر کے دفاتر قائم کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس ٹرانسپورٹ ہاؤس کو چند افسروں کی رہائش گاہ میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ چیئرمین کو ہر ماہ ۹۰۰ روپے کرائے کا ایک بنگلہ دے دیا گیا ہے۔ ہر تین ماہ کے بعد اس بنگلہ کا کرایہ ایڈوانس دیا جاتا ہے۔ یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ ابھی حال میں بنگلہ کی آرائش اور سجاوٹ پر تقریباً دس ہزار روپے پانی کی طرح بہا دیے گئے۔

مالیاتی امور کے رکن کو ۴۰۰ سو روپے ماہانہ کا بنگلہ دیا گیا ہے۔ مالک مکان کو گیارہ ماہ کا کرایہ ایڈوانس دیا گیا۔ یہ واحد مثال ہے۔ ممکن ہے، موصوف کا کراچی یا سندھ کے کسی دوسرے علاقہ میں ذاتی مکان بھی ہو۔ مگر ذاتی مکان کا مطلب یہ تو نہیں کہ کارپوریشن سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ ذاتی مکان کرائے پر بھی تو اٹھایا جا سکتا ہے۔

کارپوریشن میں بدعنوانی عروج پر ہے۔ فاضل پرزوں کی خریداری میں اب تک لاکھوں روپے کی خورد برد کے واقعات منظر عام پر آچکے ہیں۔ محکمے کے آڈیٹروں اور اسٹاک چیک کرنے والوں نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ ان واقعات میں خریداری کمیٹی کے ارکان ڈسٹرکٹ منیجر، ورکس منیجر اور اسٹور افسر ملوث بتائے گئے۔ بدعنوانی اور خورد برد کے ان واقعات کو بااثر حکام کی مرضی سے دبایا جاتا ہے۔ ان کے خلاف کوئی احتسابی کارروائی عمل میں نہیں لائی جاتی۔ جن لوگوں نے ان گھپلوں کی اطلاع دی، انہیں طرح طرح سے خوف زدہ کیا گیا۔ انتقامی کارروائی کی گئی، ٹرانسفر کیا گیا، اور انہیں جسمانی نقصان پہنچانے کی کھلی کھلی دھمکی دی گئی۔ سینکڑوں روپے کے فاضل پرزے خریدے گئے۔ جو ابھی تک مختلف ڈپوؤں کے اسٹوروں میں بے مصرف پڑے ہیں۔

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ کراچی اومنی سروس

بنگلے کا کرایہ ۹۰۰ روپے ماہانہ، دفتر کا کرایہ ۲۲۰۰ روپے ماہانہ

ملیر اور کراچی اومنی سروس کورنگی کے اسٹور افسر ریٹائرڈ میجر ہیں۔ ان کی تنخواہ ایک ہزار دو سو روپے اور ایک ہزار بالترتیب ہے۔ اِن دونوں کی مجموعی تنخواہ ۲۶ ہزار ۴ سو روپے سالانہ بنتی ہے۔ یہ بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ بدعنوانی کے بے شمار واقعات میں یہ دونوں حضرات گلے گلے ملوث ہیں۔ یہ فاضل پرزوں کے سپلائر سے ملے ہوتے ہیں۔ کارپوریشن کے اعلیٰ افسران ان کی بدعنوانی پر پردہ ڈالتے ہیں۔ حیدرآباد اور سکھر کے ڈپوؤں میں اسٹور افسر نہیں رکھے گئے۔ ان اسٹوروں کی دیکھ بھال سنئر اسٹور کیپر کرتے ہیں۔ اِس کے برعکس دوسری جگہوں میں جان بوجھ کر اسٹور افسروں کو بھرتی کر کے اقربا پروری کی بدترین مثال قائم کی گئی۔ آخر اس قومی ضیاع کا کون ذمہ دار ہوگا۔؟

سندھ روڈ ٹرانسپورٹ کی خراب بسوں کی مرمت میں سنگین لاپرواہی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ ناکارہ پرزوں کی جگہ نئے پرزے نہیں لگائے جاتے۔ پرزوں کی خریداری میں ہزاروں روپے کے ہیر پھیر کر دیے جاتے ہیں۔ اچھے اور کارآمد فاضل پرزوں کی جگہ ناکارہ اور پُرانے قسم کے پرزے خریدے جاتے ہیں۔ کارپوریشن کے اعلیٰ افسران اس دھاندلی اور بددیانتی کی روک تھام کے لئے آج تک کوئی مؤثر کارروائی نہ کر سکیں

غیر ضروری پارٹوں اور پرزوں کی خریداری پر ہر ماہ ہزاروں روپے برباد کئے جا رہے ہیں۔ اِس کا ناقابل بیان بوجھ کارپوریشن پر پڑ رہا ہے۔ اکتوبر ۱۹۷۰ء میں کورنگی ڈپو سے ۵۴ ناکارہ پرزوں کی خریداری کی گئی۔ ورکس منیجر اس معاملہ میں ملوث بتایا گیا۔ مگر اس کے خلاف ابھی تک کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

کارپوریشن "چیکنگ اسکواڈ" پر ہر ماہ لاکھوں روپے خرچ کر رہی ہے۔ مگر اس کا کوئی خوش گوار نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ انسپکٹر اور اسسٹنٹ ٹریفک منیجروں کے معاملات کی چھان بین کی جاتے تو بہت سی کہانیاں جنم لیں گی۔

سندھ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن اقربا پروری اور بدعنوانیوں کا اکھاڑہ بن گئی ہے۔ نوکر شاہی دونوں ہاتھوں سے اس ادارہ کو لوٹ کر تباہی کے کنارے تک پہنچا چکی ہے۔ چھوٹے اور نچلے درجے کے ملازمین کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ انہیں بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر ملازمتوں سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔ ان کے حقوق غصب کئے جاتے ہیں۔ ادارہ کے مسائل میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خسارے کے بجیٹ کے سہارے کارپوریشن کو زیادہ عرصہ تک زندہ رہنا مشکل نظر آ رہا ہے۔ لہٰذا حکومت کو اس قومی ادارے کی بقاء کے لئے فوری طور پر توجہ دینی چاہیئے اور مندرجہ باتوں پر بلاتاخیر عمل درآمد کرے۔

۱:۔ کارپوریشن کی موجودہ نوکر شاہی کو فوراً ختم کیا جائے۔

۲:۔ ٹرانسپورٹ کو نیشنلائز کیا جائے۔

۳:۔ آخری انتظامات سے پہلے عوام کے ایک منتخب نمائندہ کو ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا جائے۔ یونین کے نمائندوں اور کارکنوں کے مشورے سے کارپوریشن کے متعلق کارآمد پالیسیاں تیار کی جائیں۔

۴:۔ کارپوریشن کے تمام مالی اور ٹیکنیکل معاملات کی باقاعدہ تحقیقات کی جائے۔ تحقیقاتی کمیٹی میں ایماندار ماہرین کو شامل کیا جائے۔ اس تحقیقات میں یونین کے تجربہ کار کارکنوں سے بھی مدد لی جائے۔

۵:۔ کارپوریشن کو فی الحال مالی بحران سے بچانے کے لئے روڈ ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اور اِس رقم کو بسوں کی مرمت، فاضل پرزوں کی خریداری ٹائر اور ٹیوب پر خرچ کیا جائے۔ اِس طرح بے شمار بسیں مرمت ہونے کے بعد قابل استعمال بن جائیں گی۔

۶:۔ اس ادارے کے ملازمین اور ورکروں کے بارے میں واضح طور پر اعلان کر دیا جائے کہ وہ "عوام کے خدمتگار" ہیں۔ اِس اعلان کی روشنی میں قواعد و ضوابط بنائے جائیں

۷:۔ خراب اور ناکارہ بسوں کی جگہ نئی بسیں منگوائی جائیں۔

۸:۔ برطرف ہونے والے ملازموں کو دوبارہ بحال کیا جائے۔

۹:۔ کے آر ٹی سی کے سامان اور ورک شاپ کو سندھ روڈ ٹرانسپورٹ کی تحویل میں دے دیا جائے۔ جنہیں حکومت نے سربمہر کر دیا تھا۔ ان پر عوام کا حق ہے۔

افروایشیائی ادیبوں کی انجمن کے صدر رُلیسا کوٹا سے اسحاظ الرحمٰن کی ایک خصوصی ملاقات

رُوسی سوشل سامراج اور غیر جانبدار بھارت بے نقاب ہو چکا ہے



ریسا کوٹا انڈونیشیا کے ممتاز انقلابی شاعر ہیں، اکتوبر ۱۹۶۵ء میں جب سوہارتو اور نوشیاں نے ایک فوجی سازش کے ذریعے ڈاکٹر سوئیکارنو کی حکومت کا تختہ الٹ دیا. محنت کشوں اور انقلابی دانشوروں کا قتلِ عام کیا تو ریسا کوٹا کو بھی ترکِ وطن کرنا پڑا۔ وہ آج کل پیکنگ میں مقیم ہیں اور افروایشیائی دانشوروں کے مرکزی سیکرٹریٹ کے سربراہ ہیں. ان کی نظمیں اور گیت آج بھی انڈونیشیا کے انقلابی عوام کو گرماتی ہیں، ان کے جذبۂ حریت پسندی کو مہمیز کرتی ہیں. وہ وطن سے دور رہ کر بھی سوہارتو کی اس فسطائی حکومت کے خلاف انقلابی قوتوں کی جدوجہد میں برابر شریک ہیں، جس نے دس لاکھ محنت کش عوام کے خون سے ہولی کھیلی۔ (ادارہ)

بنگلہ دیش کی آزادی - آزادی نہیں ہے

میں نے جب ریسا کوٹا کو فون کیا تو وہ سمجھے کہ میں نے حسبِ معمول بیڈمنٹن کھیلنے کے لئے فون کیا ہے. ریسا کوٹا ہمارے گیسٹ ہاؤس سے بارہ تیرہ میل کے فاصلے پر رہتے ہیں لیکن باقاعدگی کے ساتھ ہفتے میں تین بار ہمارے ساتھ کھیلنے کے لئے یہاں آجاتے ہیں۔

انٹرویو!

کس کا!

تمہارا؟

میں نے انہیں غالب کے اس شعر کا ترجمہ سنایا.

ع "ہم کہاں کے دانا تھے. کس ہنر میں یکتا تھے"

تو وہ بہت محظوظ ہوتے۔ "میں پاکستان کی صورت حال کے بارے میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔"

کس اخبار کے لئے لکھو گے.

"الفتح" کے لئے. ہفت روزہ ہے.

"الفتح"! ایک بار پھر وہ چونک اٹھے.

ہاں "الفتح"! میں نے انگریزی میں ہجے کرتے ہوئے کہا.

"یہ وہی نام ہے، فلسطین کے فدائیوں کی تنظیم کا!"

"کس کا پرچہ ہے؟"

"میرے ساتھیوں کا، ترقی پسندوں کا، جو نئی نسل کے نمائندے ہیں۔"

پھر جب میں نے انہیں بتایا کہ شوکت صدیقی اس کے نگراں ہیں تو انہوں نے جلدی سے کہا. "اچھا اچھا ٹھیک ہے جب میں پرسوں کھیلنے آؤں گا. تو ساتھ بیٹھ جائیں گے"

"میں پرسوں تک انتظار نہیں کر سکتا" میں نے بے چینی سے کہا "کل اتوار ہے، اور میں اس دن کو ضائع نہیں کرنا چاہتا میں کل تین بجے آپ کے پاس آرہا ہوں۔"

"اچھا، اچھا، ٹھیک ہے، آجاؤ" ریسا نے بے ساختہ قہقہہ لگایا.

ریسا کوٹا انڈونیشیا کے مشہور شاعر، ادیب ہیں، اور اس وقت یہاں افروایشیائی ادیبوں کی انجمن کے صدر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں، ان کی عمر ۴۱ سال ہے، ریسا کوٹا کا کہنا ہے کہ انہوں نے مڈل اسکول کے زمانے سے ہی لکھنے پڑھنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا. لیکن جب تک وہ یونیورسٹی میں داخل نہیں ہوئے اور وہاں کے ترقی پسند طلبا کی تنظیم میں شامل نہیں ہوئے اس وقت تک انہیں پوری طرح اس بات کا احساس نہیں تھا کہ ان کا موقف کیا ہونا چاہیے۔ بعد میں انہوں نے مزدوروں اور کسانوں کی زندگی کو اپنا موضوع بنایا اور یہیں سے ان کے اندر کا احساس اور انقلابی شاعر ابھر کر سامنے آنے لگا. انہوں نے بتایا کہ ایک بار سوئیکارنو کے زمانے میں مختلف شاعروں کی نظموں کا ایک مجموعہ "ایک کسان کی موت" کے عنوان سے شائع ہوا جس میں ان کی نظمیں شامل تھیں. حکومت نے اس کتاب پر پابندی لگادی۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سوئیکارنو حکومت میں رجعت پسندوں کو کتنے زیادہ اختیارات حاصل ہو گئے تھے. یہ رجعت پسند اس وقت عارضی طور پر حکومت پر قابض ہیں لیکن انڈونیشی عوام زیادہ عرصے تک غلام نہیں رہیں گے، وہ انتقام لیں گے ہر رجعت پسند کو اپنے لہو کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرنی ہو گی...."

ریسا کوٹا کی آواز میں جذبات کی لرزش جھلکنے لگی. کئی سال سے انڈونیشیا کے ان بہادر سپاہیوں کو وطن کی سرزمین پر قدم رکھنے کا موقع نہیں ملا، میں نے انہیں موضوع پر لانے کے لئے سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

میرا پہلا سوال تھا۔ "آپ افروایشیائی ادیبوں اور ترقی پسندوں کے نمائندے کی حیثیت سے پاکستان کی موجودہ صورتحال کے بارے میں کیا نقطۂ نظر رکھتے ہیں؟"

جیسا کہ ہم نے اپنے بیان میں کہا تھا. ریسا کوٹا نے ٹھہر ٹھہر کر متوازن لہجے میں کہنا شروع کیا۔ برصغیر کی موجودہ سنگین صورتحال کے ذمہ دار بھارتی رجعت پسند اور روسی سوشل سامراجی ہیں. ہر ملک کے عوام کو یہ حق ملنا چاہیئے کہ وہ اپنے مسائل خود حل کریں. جیسا کہ صدر ماؤ نے کہا ہے. ایک یا دو بڑی طاقتوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے ملک پر اپنا فیصلہ مسلط کرنے کی کوشش کریں، بھارتی رجعت پسندوں نے پاکستان کو دل سے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ وہ ایک عرصہ سے موقع کی تاک میں لگے ہوئے تھے "عظیم تر ہندوستان" کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کا ایک مرحلہ پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا. لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کا یہ عمل خود وہاں کے عوام کی خواہشات کے خلاف ہے، رجعت پسند بھارتی حکومت اپنے اندرونی تضادات اور معاشی بحران پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنے عوام کی توجہ فروعی مسائل کی طرف مبذول کرا رہی ہے ان کو دھوکا دے رہی ہے ...."

"لیکن کامریڈ" میں نے کریدنے کے لئے پوچھا. "بھارتی حکومت تو کہتی ہے کہ وہ مہاجروں کے مسئلہ کی وجہ سے مشرقی پاکستان کے معاملے میں ملوث ہوئی ہے۔"

"انہوں نے مہاجروں کے مسئلہ پر دنیا بھر میں واویلا مچایا لیکن در اصل وہ خود اس مسئلے کو حل کرنا نہیں چاہتے تھے. کیونکہ وہ اس کی آڑ میں پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے پرانے منصوبے کی تکمیل کرنا چاہتے تھے. اگر وہ مہاجروں کے مسئلے کو حل کرنا چاہتے تھے. تو انہیں براہ راست پاکستان کی حکومت سے بات کرنی چاہیئے تھی. لیکن وہ دنیا بھر میں روتے پھرے اور اس اداکاری کے طفیل انہوں نے بڑے ممالک سے دونوں ہاتھوں سے روپیہ بٹورا، خوب کمایا لیکن چونکہ ان کا مقصد نام نہاد "بنگلہ دیش" کے وسائل سے فائدہ اٹھانا تھا اس لئے انہوں نے پاکستانی حکومت سے بات چیت کرنے کے لئے کسی حقیقی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ رجعت پسند بھارتی حکومت ایک عرصے سے پاس پڑوس کی چھوٹی ریاستوں کو دھونس دھمکی کا نشانہ بنا رہی ہے. اور اسے اپنی ان مذموم کارروائیوں میں پوری طرح روسی سوشل سامراجیوں کی حمایت حاصل رہی ہے روسی سوشل سامراجیوں کا چہرہ تو پہلے ہی بے نقاب ہو چکا ہے. لیکن یہ ایک مثبت پہلو ہے کہ بھارت کی نام نہاد غیر جانبداری کے بھی تانے بانے ٹوٹ گئے، بھارت کے عوام آج بھی جدوجہد کر رہے ہیں، وہ زیادہ عرصہ تک انہیں بے وقوف نہیں بنا سکتے. اس مسئلے پر دنیا کے ممالک کی اکثریت نے پاکستان کا ساتھ دیا. اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ۱۰۴ ممالک نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا، جبکہ بھارت کے حق میں صرف سوویت یونین اور اس کی طفیلی ریاستوں نے ووٹ دیا. اس رائے شماری سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کون کس کے ساتھ ہے، دنیا بھر نے پاکستان کے خلاف جارحیت پر بھارت کی مذمت کی ہے، صرف سوویت ترمیم پسند اپنے مخصوص مفادات کے تحت اس کی حمایت کر رہے ہیں، ہم افروایشیائی ادیب بھی یہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں، بھارت نے جو کچھ کیا ہے. وہ ہماری پالیسی کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے ہم ہر اس ملک کے خلاف ہیں جو کسی دوسرے ملک کے خلاف جارحانہ حملہ کرتا ہے اسے معاشی استحصال کا شکار بناتا ہے ہم بڑی طاقتوں کی زور زبردستی کی پالیسی کے خلاف ہیں. برصغیر کے مسئلے پر سوویت یونین نے اسی رویے کا اظہار کیا ہے جو اس کے نظریاتی دیوالیہ پن کا واضح ثبوت ہے ہم ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو جارحیت کی مخالفت کرتے ہیں، ہم ان لوگوں کے خلاف لڑتے ہیں جو دوسروں کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں، ہم ان لوگوں کی حمایت کرتے ہیں جو اپنی آزادی اور خود مختاری کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، افروایشیائی ادیب پاکستان کی بھرپور حمایت کا اظہار کرتے ہیں۔"

میرا اگلا سوال یہ تھا کہ "برصغیر کے مسئلے میں بڑی طاقتوں نے جو موقف اختیار کیا. آپ اس کا کس طرح تجزیہ کرتے ہیں"؟

"تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے"۔ انہوں نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا. "اس سلسلے میں سوویت یونین اور چین کا رویہ بالکل واضح رہا. سوویت ترمیم پسندوں نے کھل کر بھارتی رجعت پسندوں کی حمایت کی، اسے ہر طرح کی مادی اور اخلاقی مدد بہم پہنچائی، اس نے اپنے پورے ترمیم پسند بلاک کے ساتھ پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازش میں حصہ لیا. ان کے ہاتھ پاکستان کے عوام کے لہو میں لتھڑے ہوئے ہیں، اب اس میں کسی شبے کی گنجائش نہیں رہی کہ اس ڈرامے کے پیچھے سوویت ترمیم پسندی ڈوریاں ہلا رہے تھے. سوویت ترمیم پسندوں نے بھارتی توسیع پسندوں کو بڑے پیمانے پر جدید ترین ہتھیار فراہم کئے، یہاں تک کہ خود اس کے بحری اور فضائی جہازوں نے براہ راست جنگ میں حصہ لیا. آئے دن ان دونوں ممالک کے درمیان سرکاری وفود کا تبادلہ ہوتا رہا. اس نے بھارت کے ساتھ فوجی معاہدہ کیا اور سلامتی کونسل میں دنیا کے ممالک کی اکثریت کے فیصلے کو پاؤں تلے روندتا رہا. اس کے برخلاف چین نے ہر قدم پر کھل کر پاکستان کا ساتھ دیا چین ہمیشہ جارحانہ جنگوں کے خلاف مظلوم اقوام کی مدد کرتا رہا ہے سلامتی کونسل میں چین نے ہر مرحلے پر پاکستان کی حمایت کی۔ اور بھارت کو حملہ آور قرار دیتے ہوئے سختی کے ساتھ اس کی مذمت کی، چین کے اخبارات اور ریڈیو رات دن بھارت اور سوویت یونین کی سازش کو بے نقاب کرتے رہے، چینی لیڈروں نے واضح طور پر نام نہاد "بنگلہ دیش" کی تحریک کو ایک فراڈ قرار دیا اور یہ اعلان کیا کہ اس ڈرامے کے پیچھے بھارتی توسیع پسندوں کا ہاتھ ہے اس نے سلامتی کونسل میں اپنی قرارداد پیش کی جس میں بھارت کو حملہ آور قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا. "تم خود یہیں رہتے ہو" "تم خود جانتے ہو"۔ ریسا نے رُک کر مجھ سے کہا "اس دوران چینی عوام اور چینی حکومت اور اس کے نشر و اشاعت کے ادارے کس جوش و خروش کے ساتھ پاکستان کی حمایت کا اظہار کر رہے ہیں!"

"برطانیہ، فرانس اور امریکہ کے موقف کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔"

انڈونیشی عوام رجعت پسندوں سے انتقام لے کر رہیں گے

انڈونیشیا کے نیم سرکاری پرچے پاکستان کی مخالفت کر رہے ہیں

"برطانیہ اور فرانس شروع سے نام نہاد غیر جانبداری کی پالیسی پر عمل کرتے رہے، انہوں نے سلامتی کونسل کی اصل قرارداد میں کسی طرف ووٹ نہیں دیا۔ بظاہر انہوں نے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ لیکن دراصل وہ بھارتی رجعت پسندوں کے ہاتھ مضبوط کر رہے تھے وہ اپنی مصلحتوں کے تحت اس قرارداد کے خلاف ووٹ نہیں دینا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے غیر جانبداری کا لبادہ اوڑھ لیا اور پس پردہ بھارتی توسیع پسندوں کی پیٹھ ٹھونکتے رہے، جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے اس نے اپنی بین الاقوامی مصلحتوں کے تحت سلامتی کونسل میں پاکستان کے حق میں ووٹ دیا لیکن اس نے واضح طور پر بھارت کی سرزنش نہیں کی۔ امریکہ آخری قرارداد پر متفق ہو گیا۔ لیکن چین رضامند نہیں ہوا۔ چین نے اس کے ساتھ ساتھ واضح طور پر بھارت کی مذمت کرنے کا بھی مطالبہ کیا، ان دونوں ممالک میں بنیادی فرق یہی ہے، اس سے پاکستان کے عوام کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ ان کا دشمن کون ہے اور دوست کون ہے۔ چین اور چین کے عوام اس کے سچے دوست ہیں اور روسی سوشل سامراجی اور تمام مصلحت پسند ان کے دشمن ہیں

بنگلہ دیش کے لیڈر عوام کو یہ تاثر دے رہے ہیں کہ انہوں نے آزادی حاصل کر لی ہے اس آزادی کا آپ کے نزدیک کیا تصور ہے

"یہ آزادی نہیں ہے"۔ ریسا کوٹا نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا آزادی اور غلامی میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔ مشرقی پاکستان کے عوام اس وقت تک آزاد نہیں ہوں گے جب تک کہ بھارتی فوج کا ایک بھی سپاہی وہاں موجود ہے۔ بھارتی فوج مشرقی پاکستان سے چلی جائے اور پھر پاکستانی عوام خود آپس میں بیٹھ کر اپنے معاشی اور سیاسی مسائل طے کریں۔ پاکستانیوں کے درمیان اتحاد ہونا چاہیئے۔ یہی آزادی کی راہ ہے، نام نہاد "بنگلہ دیش" کے لیڈر بھارتی توسیع پسندوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں حالانکہ بھارت ہمیشہ سے پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازش کرتا رہا ہے۔ اس مقصد کے لئے اس نے ان کو استعمال کیا انہیں اس بات کا احساس ہونا چاہیئے تھا۔ اس قسم کے مسئلے کا حل یہ نہیں ہے کہ ایک رجعت پسند دشمن ملک سے مدد لے کر "آزادی" کا ڈھونگ رچایا جائے۔ اس بات میں کسی شبے کی گنجائش نہیں کہ اگر انہوں نے حقیقتوں سے چشم پوشی کی تو وہ ہمیشہ کے لئے بھارت کے طفیلی بن کر رہیں گے۔ اس کے اشاروں پر ناچتے رہیں گے بالکل اسی طرح جیسے چیکوسلواکیہ اپنی تمام پالیسیوں کے سلسلے میں روسی سوشل سامراجیوں کے اشارے کا منتظر رہتا ہے۔

خود مختاری (AUTONOMY) کی تعریف آپ کس طرح کریں گے۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک کے مختلف حصوں کے عوام کو اپنی معیشت کو فروغ دینے اور اپنے عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کا موقع دیا جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ مرکز مفلوج ہو کر نہ رہ جائے اگر چند اہم اور مرکزی شعبوں میں خود مختاری مانگی جائے تو ملک کا نظام مفلوج ہو کر رہ جائے گا۔"

میں نے کہا۔ کیا آپ کا انڈونیشیا، افرو ایشیا کا حصہ نہیں ہے۔ آپ کی انجمن انڈونیشیا کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔

انہوں نے زور کا قہقہہ لگایا۔ "میں تمہارا مطلب سمجھتا ہوں تم کیا چاہتے ہو:

"آج پاکستانی عوام شدت سے بنگ کارنو کی کمی محسوس کر رہے ہیں۔ وہ شخص نہیں رہا جس نے "گن جنگ انڈیا" کا نعرہ لگایا تھا۔ کیا آپ سوئیکارنو اور سوہارتو کی حکومتوں کے رویئے کا موازنہ کریں گے"۔

"سوہارتو کی حکومت کا رویہ سوئیکارنو کی حکومت کے رویئے سے بالکل مختلف ہے، ۱۹۶۵ء میں انڈونیشیا کے عوام اور

چینی لیڈروں نے نام نہاد "بنگلہ دیش" تحریک کو فراڈ قرار دیا ہے

حکومت کا موقف یکساں تھا۔ لیکن آج کی حکومت عوام کی خواہشات کو پامال کر رہی ہے۔ سوئیکارنو کے زمانے میں انڈونیشیا کے عوام نے تمام بڑے بڑے شہروں میں، گلیوں میں نکل کر پاکستان کے حق میں مظاہرے کئے تھے۔ دارالحکومت جکارتہ میں سب سے بڑا مظاہرہ ہوا، مظاہرین نے نہ صرف پاکستان کو ہر قسم کی مادی اور اخلاقی امداد دینے کا مطالبہ کیا۔ بلکہ یہ مطالبہ بھی کیا کہ بھارت سے فوری طور پر سفارتی تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔ مظاہرین بھارتی سفارتخانے کے گرد جمع ہوئے۔ وہ سفارت خانے کے افسروں کو ایک یادداشت پیش کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب بھارتی افسر اُن سے ملنے کے لئے نہیں آئے تو انہوں نے سفارتخانے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، اس واقعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انڈونیشیا کے عوام پاکستان سے کتنے قریب ہیں اور بھارتی توسیع پسندوں سے کس قدر غیر مطمئن ہیں۔ سوئیکارنو نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ انڈونیشیا پاکستان کے ساتھ ہے اسی لئے میں یہ کہتا ہوں کہ اس زمانے میں عوام اور حکومت کا موقف یکساں تھا۔ لیکن اس وقت سوہارتو کی فوجی حکومت دوغلا کردار ادا کر رہی ہے۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس مسئلے میں بالکل غیر جانبدار ہے۔ لیکن پس پردہ وہ ان لوگوں کی سرپرستی کر رہی تھی جو بھارت کے ساتھ ہیں۔ ان کے اشارے پر گیارہ افراد کا ایک چھوٹا سا گروپ وزارت خارجہ کے افسروں سے ملا اور یہ مطالبہ کیا کہ نام نہاد "بنگلہ دیش" کی حکومت کو تسلیم کر لیا جائے، یہ افراد حکومت سے بہت قریب ہیں۔ لیکن چونکہ عوام کی اکثریت پاکستان کے ساتھ ہے، اس لئے فی الوقت وہ "بنگلہ دیش" کی حکومت کو تسلیم کرنے سے ہچکچا رہے ہیں، چند اخبارات بھی جو حکومت کی سرپرستی میں نکلتے ہیں۔ نام نہاد "بنگلہ دیش" کی حمایت میں مضامین وغیرہ لکھ رہے ہیں۔ مثال کے طور پر پیدمان (COMPASS) نامی ایک اخبار نے جسے حکومت کی سرپرستی حاصل ہے ایک حالیہ شمارے میں ایک مضمون چھاپہ جس میں بڑے مذموم انداز میں پاکستانی صدر بھٹو پر تنقید کی گئی تھی۔ ایک ہفت روزہ "فاص" نے ایک کارٹون شائع کیا جس میں نہ صرف پاکستانی عوام بلکہ چینی عوام کا بھی مذاق اڑایا گیا ہے۔ یہ ہفت روزہ اس وقت میرے پاس موجود ہے ..."

ریسا نے مجھے یہ کارٹون دکھایا۔ ایک طرف یحییٰ خان جو فوجی یونیفارم میں ہیں، زینے سے نیچے اتر رہے ہیں، اور دوسری طرف بھٹو پاکستان کا جھنڈا ہاتھ میں لئے اوپر چڑھ رہے ہیں جس کے اوپر صدر ماؤ کا سر لگا ہوا ہے۔ کارٹون کا عنوان اس طرح ہے "پاکستان کی جنگ کا فاتح کون ہے" "بھارت یا چین"

یہ ہفت روزہ فوجی انٹیلی جنس سروس کی زیر سرپرستی چلتا ہے۔ اس لئے اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہم مستقبل سے مایوس نہیں ہیں۔ انڈونیشیا کے عوام جو دل سے پاکستان کے ساتھ ہیں، رجعت پسند فوجی جنتا کے خلاف مسلح جدوجہد کر رہے ہیں۔ چند دن پہلے افرو ایشیائی استحکام کی انجمن کے جنرل سیکرٹری ابراہیم عیسیٰ نے اپنی پاکستانی انجمن کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا تھا۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ انڈونیشی عوام بھارتی

رجعت پسندوں کی مذمت کرتے ہیں، جنہوں نے سوویت ترمیم پسندوں کی حمایت سے پاکستان کے مقدس علاقے پر قبضہ کر لیا ہے، یہ خط انڈونیشیا کے عوام کے احساسات کی صحیح ترجمانی کرتا ہے ہم انڈونیشی عوام پاکستانی عوام کا جو بھارتی توسیع پسندوں کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں، ہمیشہ ساتھ دیتے رہیں گے۔ ہم ہر اس ملک کے ساتھ ہیں جو بڑی طاقتوں کی جارحیت کا شکار ہیں"

"آپ کے خیال میں ایک ادیب کا بنیادی فرض کیا ہے"؟

"ادیب جو چیز بھی تخلیق کرے، وہ عوام کے لئے ہونی چاہیئے اور اسے دشمن پر ضرب لگانے کے لئے استعمال کیا جانا چاہیئے، اسے عوام کی سچی خواہشات کی ترجمانی کرنی چاہیئے، اور ان کے سامنے مثال قائم کرنی چاہیئے، تاکہ وہ ان کی تقلید کریں۔ جدوجہد کے دوران بہت سے ہیرو اُبھر کر سامنے آئے ہیں۔ ادیبوں کو چاہیئے کہ وہ انہیں اپنا موضوع بنائیں۔ انہیں عوام کا سیاسی شعور بلند کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے"۔

"کیا آپ اس موقع پر افرو ایشیائی ادیبوں کی انجمن کے ایک ذمہ دار کارکن کی حیثیت سے پاکستان کے ادیبوں کے نام کوئی پیغام دینا پسند کریں گے"۔

"پاکستانی ادیب، پاکستانی عوام کا ایک حصہ ہیں، انہیں بھارتی رجعت پسندوں اور روسی سوشل سامراجیوں کے خلاف متحد ہو جانا چاہیئے، مجھے یقین ہے کہ وہ نہ صرف اپنی تحریروں کے ذریعے جہاد کریں گے، بلکہ خود محاذ پر جا کر بندوق سنبھالیں گے اور قربانی کے جذبے کا مظاہرہ کریں گے، انہیں چاہیئے کہ وہ عوام کو دشمن کے خلاف متحد کریں"۔

"میرے خیال میں پاکستان کو صرف بیرونی دشمنوں ہی کا سامنا نہیں کرنا، میں نے بیچ ہی میں ان کی بات اُچک لی، انہیں اندرونی دشمنوں کا سامنا بھی کرنا ہے"۔

"ٹھیک ہے"۔ ایلسا کوٹا نے پھر کہنا شروع کیا، جب میں یہ کہتا ہوں کہ عوام کو دشمن کے خلاف متحد کرنا چاہیئے۔ تو میرا مطلب یہی ہوتا ہے کہ انہیں ان رجحانات کے خلاف متحد کیا جانا چاہیئے۔ جو ان کے مفادات کے خلاف ہیں۔ بعض ممالک میں سرمایہ دار، جاگیردار اور نوکر شاہی کے اراکین سامراجیوں کے ایجنٹوں کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں، ادیبوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے عوام کو شعور دیں تاکہ وہ ان ایجنٹوں اور اپنے تمام دشمنوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں"

جب میں کچھ دیر لبعد ایلسا کوٹا سے رخصت ہو رہا تھا تو انہوں نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "وقتی طور پر بھارتی توسیع پسند اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے لیکن مجھے یقین ہے کہ پاکستانی عوام اپنے تجربات کی روشنی میں اپنی جدوجہد کو آگے بڑھاتے رہیں گے۔ وہ ضرور کامیاب ہوں گے، کیونکہ وہ حق پر ہیں"۔

ریلسا کوٹا

پاکستانی عوام کے نام

دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے
کھڑے رہو
دیو ہیکل پہاڑ کی مانند
طوفانوں اور آندھیوں کے آگے
سر نہ جھکاؤ
تند و تیز دریا کی مانند
تمام رکاوٹوں کو اپنے ساتھ بہا لے جاؤ
تم، پاکستانی عوام
اپنی جدوجہد جاری رکھو، بڑھتے رہو
اپنے محبوب وطن کی سالمیت اور خود مختاری کے لئے
جیالے عوام کے سامنے
بھارتی رجعت پسند تمہارے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں
دم توڑتا ہوا سوشل سامراج پردے کے پیچھے ڈوریاں ہلا رہا ہے
لیکن سینہ تانے کھڑے رہو
غلامی کی زنجیریں قبول نہ کرنا
اپنی خود مختاری اور انصاف کے لئے جدوجہد کرتے رہو
بڑھتے رہو، جدوجہد کرتے رہو
فتح یقیناً تمہارے قدم چومے گی۔

جعلی رشتہ

رضا حمید

جاگیردار فضل داد اور برکت کی دوستی کسی بھی آدمی کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ کچھ نے دل میں جلن محسوس کی اور کوئی آنے والے خطرے سے خوفزدہ ہو گیا، بابے جمال نے اکثر برکت کو سمجھانے کی کوشش کی کہ امیر اور غریب کی دوستی کچھ ٹھیک نہیں، یہ ایسا رشتہ ہے جس کی بنیاد خلوص کی بجائے غرض پر رکھی جاتی ہے...

مگر برکت نے بابے جمال کی بات ہنسی میں اُڑا دی۔ "جاگیردار نے مجھ سے کیا لینا ہے۔ وہ تو میری سادگی اور بھولپن سے متاثر ہے"۔

بابا جمال چپ چاپ چل دیا۔ وہ اُسے کیا سمجھائے کہ سادگی اور بھولپن ہی نے ان کے حقوق دھرتی کی کوکھ میں دفن کئے ہیں۔ اسی سادگی اور بھولپن کی وجہ سے جاگیردار لوٹ کھسوٹ کر رہے ہیں، مگر برکت ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ وہ بہت آگے نکل چکا ہے اپنے طبقے کی ہر بات اُسے ناگوار گزرتی ہے۔ بابا جمال اور پریشان ہو گیا۔

پریشانی سلامتے کو بھی بہت تھی وہ اگرچہ گاؤں کی سیدھی سادی لڑکی ہے مگر حالات نے اسے باشعور بنا رکھا ہے۔ وہ نیک و بد خوب سمجھتی تھی۔ اس لیے وہ پریشان تھی، اس پریشانی نے اُس کے اِرد گرد سوچ کا ایک حصار بنا دیا ہے اور ہر وقت ایک ہی بات اس کے ذہن میں گردش کرتی ہے کہ کہیں یہ دوستی نیا رنگ نہ لائے۔ اُس نے اکثر پیار کے ساتھ اپنے بھائی برکت کو سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے ہر بار اس کی بات جھٹک دی، "پنجاب کا ویرا اپنی ہر خواہش بہن کی خواہش کے آگے ہیچ سمجھتا ہے۔ لیکن جاگیردار کی دوستی نے اس کی ہر صفت مردہ کر دی ہے۔ اُس دن سلامتے کی حالت قابل دید تھی جب وہ جاگیردار کو اپنے گھر لے کر آیا۔ سلامتے بے چاری روٹیاں پکا رہی تھی وہ جاگیردار کو دیکھتے ہی اوٹ میں ہو گئی، مگر برکت فوراً بول اُٹھا۔

"فضل داد توں پردہ کرن دی کوئی لوڑ نہیں۔ اے ساڈا جگری یار اے، کیوں فضل داد؟"

"حق گل اے"

جاگیردار نے ترچھی نگاہ سلامتے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ سلامتے کا پورا جسم کانپ اُٹھا۔ روٹیاں ٹیڑھی ہوتی گئیں۔ جاگیردار اور برکت کے قہقہے اچھلتے رہے اور انجانا سا خطرہ سلامتے کے دل کی دھڑکنوں کو تیز کرتا گیا۔

رات کو جب برکت گھر آیا تو وہ اس سے اُلجھ پڑی۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا، مگر برکت نے اُسے جھڑک دیا کہ وہ اپنے دوست کے بارے میں کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں۔ سلامتے بے چاری سہم گئی۔ اب کیا تھا۔ جاگیردار ہر وقت برکت کے ساتھ صحن میں بیٹھا رہتا۔ سلامتے کبھی ان کو لسی دیتی، کبھی دودھ دیتی اور جاگیردار آتی جاتی سلامتے کو گھور گھور کر دیکھتا۔ اس کی آنکھیں کتنی ڈراونی ہیں، گہرے سرخ رنگ کے ڈورے سکڑتے اور پھیلتے رہتے، سلامتے کو یوں محسوس ہوتا جیسے یہ نظریں اُس کے وجود چیر کر پار نکل جاتی ہیں وہ بہلانے بہانے اُس سے بات کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ پہلو بچاتی آخر ایک دن جاگیردار نے برکت سے کہہ ہی دیا۔

"سلامتے مینوں غیر سمجھ دی اے"۔

برکت نے سلامتے کو غصہ بھری نظر سے دیکھا۔ سلامتے کا دل چاہا کہ وہ اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے۔ آنکھوں پر سے سیاہ پٹی اتارو اور اس بد آنکھ کو دیکھو، جس میں ہوس کی سینکڑوں گدھیں منڈلا رہی ہیں۔ مگر برکت تو اتنا آگے نکل چکا ہے کہ اسے کچھ نظر نہیں آتا۔

جاگیردار کا برکت کے گھر میں داخلہ پورے گاؤں کو طرح طرح کی سوچیں دے گیا، بابا جمال سمجھتا تھا کہ اس کا انجام بہت خوفناک ہوگا، ۷۰ سال کی عمر نے اُسے زندگی کے ہر نشیب و فراز سے آگاہ کر رکھا تھا اس کا تجربہ بتا رہا تھا کہ یہ دوستی رنگ لائے گی۔ اُس نے ایک بار پھر اُسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اس دوستی میں اتنا آگے نہ بڑھے کہ شرم و حیا کی دیواریں گر جائیں۔ لوگ تمہیں اور سلامتے کو شک کی نگاہ سے دیکھیں۔ مگر برکت نے اُس کی ایک نہ سنی بلکہ اُلٹا بابے جمال کو ڈانٹ دیا کہ وہ اس کے دوست کی توہین کر رہا ہے۔

برکت صبح صبح گھر سے نکلا اور جاتے ہوئے سلامتے کو کہہ گیا کہ وہ شہر جا رہا ہے۔ کل صبح تک لوٹ آئے گا۔ گھر سے نکل کر وہ سیدھا جاگیردار کے پاس گیا۔ وہاں سے گھوڑا لے کر اُس نے شہر جانا تھا، جاگیردار کے گھر گھوڑا تیار کھڑا تھا۔ جاگیردار نے اُسے کہا کہ وہ کسی قسم کا فکر نہ کرے، میں گامو کی بیوی کو سلامتے کے پاس بھیج دوں گا۔ برکت خوش خوش روانہ ہوا، فضل داد کتنا اچھا ہے اس کا کتنا خیال رکھتا ہے وہ دنیا کو بتا دے گا کہ جاگیردار اور مزارعے کی دوستی بھی مثالی ہو سکتی ہے وہ ان ہی خیالوں میں شہر گیا اور ان ہی خیالوں میں واپس لوٹ آیا۔ گاؤں کے باہر کنویں پر کافی لوگ کھڑے تھے انہوں نے غصّہ سے برکت کو دیکھا۔ برکت دل میں خوش ہوا بے چارے اُسے اس شاندار گھوڑے پر بیٹھا ہوا دیکھ کر جل گئے ہیں، اُس نے مونچھوں کو تاؤ دیا اور آگے بڑھا اور کنویں کے پاس آیا۔ لوگ اسے دیکھ کر ایک طرف چل دیئے۔ کنویں کی منڈیر پر ایک گیلی لاش پڑی تھی۔ سلامتے کی لاش، وہ جلدی سے نیچے اُترا۔

"سلامتے تینوں کی ہو یا اے"! سلامتے چپ تھی۔ اُس کا خاموش اور سرد چہرہ لاکھوں داستانیں سنا رہا تھا۔ مگر وہ تو اندھا ہو چکا تھا، بابا جمال لاٹھی ٹیکتا ہوا آگے آیا۔

"ایس دوستی دا ایہو انجام سی۔ بابا غیرت دھیاں لئی اے کھوہاں دے وِچ ڈھنیدیاں نے"۔

برکت کی آنکھوں کے آگے روشنی کی ایک لہر آئی۔ ہر بات حقیقت بن کر روشن تھی۔ اُس نے سلامتے کی لاش کو اٹھایا اور گھوڑے کی جانب بڑھا۔

مگر جاگیردار کا گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا جاگیردار کی حویلی کی جانب جا رہا تھا۔

جب وہ جاگیردار کی حویلی کی چوکھٹ پر پہنچا تو اُس کے کندھے پر جوان بہن کی لاش تھی اور اس کے دوسرے ہاتھ میں بندوق۔

بحرِ ہند
میں امریکی
روسی سازش

روس کے سُرخ پرچم کے پیچھے

پرانے زاروں کے چہرے جھلک رہے ہیں



امریکہ بھی نام نہاد بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے والا ہے؟

وہاب صِدّیقی

سوویت یونین نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرلیا ہے، یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ بنگلہ دیش بھارت کی طفیلی ریاست ہے اور مارکسزم، لینن ازم میں کسی طفیلی ریاست کی گنجائش نہیں۔ مارکسزم کے اصولوں سے یہ غداری بحرِ ہند میں اپنی فوجی قوت مستحکم اور دائرہ اثر وسیع کرنے کے لیے کی گئی، قرائن بتا رہے ہیں کہ بحرِ ہند میں طاقت کا توازن برقرار رکھنے اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے امریکی سامراج بھی مستقبل قریب میں بنگلہ دیش کو تسلیم کرلے گا۔

جنوبی ایشیا کے چھوٹے ممالک کو اپنی گرفت میں رکھنے اور عوامی جمہوریہ چین کے گرد حصار بنانے کے لئے بحرِ ہند پر واشنگٹن اور ماسکو کی اجارہ داری نہایت ضروری ہے۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد ان عالمی وڈیروں کو اپنا تسلط بڑھانے کے بہترین مواقع میسر آگئے ہیں۔ ذیل کے واقعات ان کے ناپاک منصوبے کے مظہر ہیں۔

برزنیف پرانے زاروں کے روپ میں

بحرِ ہند پر اجارہ داری قائم کرنے کی روس کی دیرینہ خواہش ہے، ماضی میں روسی زاروں نے بھی بحرِ ہند پر حکمرانی کے سنہرے خواب دیکھے، اس کے پانی پر اپنا پرچم لہرانے کی متعدد بار کوششیں کیں، پیٹر اوّل زارِ روس نے ایک مرتبہ کہا تھا "سمندر۔ روس کو سمندر کی ضرورت ہے"۔ سوویت یونین کا موجودہ حکمران ٹولہ اگرچہ سرخ پرچم تھامے ہوئے ہے۔ لیکن اس پرچم کے پیچھے پرانے زاروں کے چہرے جھلک رہے ہیں۔ یہ زاروں کا لبادہ پہن کر بحرِ ہند میں اپنا اقتدار جمانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ بحرِ ہند میں ان کی توسیع پسندانہ سرگرمیاں جاری ہیں۔ سوویت ترمیم پسند حکمرانوں کا مقصد بحیرہ اسود ہے۔ بحیرہ جاپان تک، بحیرہ روم کے ذریعے بحیرہ احمر اور بحرِ ہند کو ملانا اور مغربی بحرالکاہل پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا ہے: تاکہ یورپ، ایشیا اور افریقہ کے پانیوں پر ان کی حکمرانی ہو سکے، جدید زار، برزنیف نے برسرِ اقتدار آتے ہی پرانے زاروں کی دیرینہ خواہش پر عمل درآمد کر دیا، بحرِ ہند کے ساحل پر واقع ممالک میں اپنے بحری اڈے قائم کرنے اور ان کی بندرگاہوں کو استعمال کرنے کے لئے کوششیں تیز کر دیں۔ برزنیف ٹولے نے سامراجیوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے، سامراجی حربے آزماتے، بحرِ ہند کے ممالک کو "اقتصادی امداد" اور "فوجی امداد" دے کر اپنے چنگل میں جکڑ لیا۔

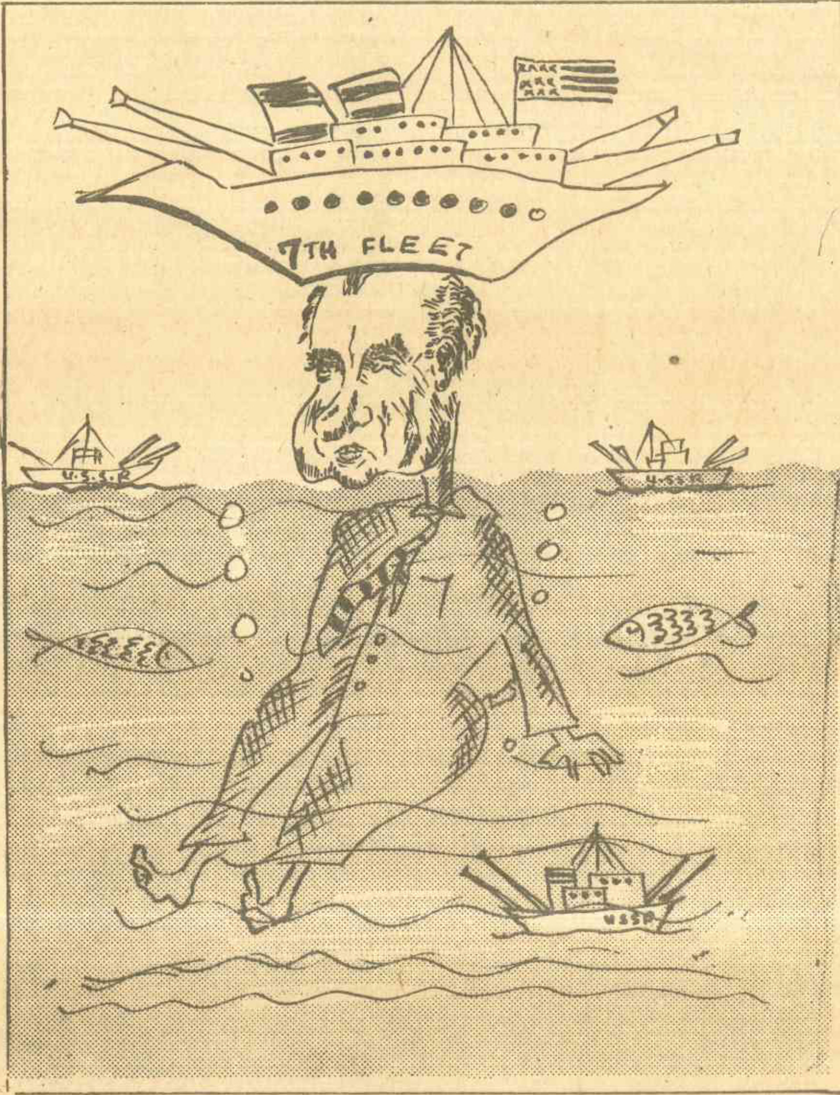
۱۹۶۵ء میں بحرِ اوقیانوس اور بحیرہ اسود کے سوویت بحری بیڑے نے "خیر سگالی اور دوستی" کے لبادے میں بحرِ ہند کے ساحل پر واقع مختلف ممالک کے دورے کئے۔ ۱۹۶۸ء میں خلیج عرب و فارس، خلیج عدن، مغربی بحرِ ہند اور بحیرہ احمر کے متعدد بار دورے کئے۔ اس سوویت بحری بیڑے میں مچھلیاں پکڑنے والے جہاز، الیکٹرونک سے چلنے والے جاسوسی جہاز اور تحقیقاتی جہاز بھی شامل تھے، ان جہازوں نے مختلف ممالک کے "فوجی اور سمندری راز" حاصل کئے اور مختلف نوعیتوں کی مجرمانہ سرگرمیاں کیں۔ ۱۹۶۹ء سے ایک سوویت بحری بیڑہ مستقلاً بحرِ ہند گشت کرنے لگا اور ۱۹۷۱ء میں بحرالکاہل کے سوویت بیڑے بحرِ ہند میں مشقیں کرنے لگا۔

بحرِ ہند میں اپنے مکروہ منصوبوں کی تکمیل کے لئے سوویت ترمیم پسند حکمرانوں نے بھارت کو اہم اڈہ قرار دیا۔ بھارتی رجعت پسند حکمران ٹولے کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے سوویت یونین نے مسلسل کئی سال کام کیا۔ روسی وزیرِ اعظم کوسی گن نے بھارت کے دورے کئے۔ بھارتی وزیرِ اعظم نے بھی خیر سگالی کے لئے ماسکو یاترا کیا۔ یہ دورے کامیاب رہے، ۱۹۶۸ء میں سوویت یونین نے چند جنگی طیارے بھارت کو دے کر مدراس اور بمبئی کی بندرگاہوں میں بحرالکاہل کے سوویت بحری بیڑے کے داخلے کا حق حاصل کیا اور اس کے ساتھ ہی روسی حکمرانوں نے کئی بحری جنگی جہاز بھارت کو دے کر بھارتی بحری اڈے استعمال کرنے کا حق محفوظ کر لیا۔

سوویت حکمران ٹولے نے اپنے سامراجی اور توسیع پسندانہ منصوبوں کو عملی روپ دینے کے لئے بھارت کے توسیع پسندانہ منصوبوں کو پروان چڑھایا۔ ٹاٹا اور برلا کی نمائندہ بھارتی حکومت نے اپنے آقاؤں کے لئے نئی منڈیوں کے حصول کے لئے اپنے ہمسایہ ممالک کو جارحیت کا نشانہ بنایا۔ مشرقی پاکستان میں بھارت کی حالیہ جارحیت کا مقصد ٹاٹا، برلا اور دوسرے بھارتی اجارہ دار سرمایہ داروں کے لئے ایک منڈی کا حصول

الفتح

سوویت یونین کے ۲۷ جنگی جہاز بحرِ ہند میں گشت کر رہے ہیں



بھارت بڑی طاقتوں کی سازشوں کا اکھاڑہ بن گیا

تھا۔ حالیہ پاک بھارت جنگ میں روسی توسیع پسندوں کو بھارت اور بحر ہند میں اپنے ناپاک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کا سنہری موقع مل گیا۔ ایک جاپانی اخبار یومیوری شمبن نے لکھا ہے۔

"پاک بھارت کی موجودہ صورت حال سوویت یونین کے حق میں ہے۔ اسے بحر ہند میں اپنا دائرہ اثر وسیع کرنے کا سنہری موقع میسر آگیا ہے، بحر ہند کے راستے جنوب مشرقی ایشیا میں اپنا اقتدار جمانے کے لئے وہ بھارت کو کشتی کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ سوویت یونین کو بھارت میں سیاسی اور فوجی اڈے بنانے کا موقع مل گیا ہے اور بحیرہ روم سے بحر ہند تک اس کی توسیع پسندانہ سرگرمیوں کے لئے راستہ ہموار ہو گیا ہے۔"

ایک مغربی خبر رساں ادارے نے مشرقی پاکستان میں بھارتی جارحیت کی روسی حمایت اور امداد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا، "پاک بھارت کی موجودہ صورت حال نے ماسکو کو خلیج بنگال میں اپنا دائرہ اثر بڑھانے کا موقع مہیا کر دیا ہے۔"

جب امریکی سامراج نے خلیج بنگال میں اپنے ساتویں بحری بیڑے کا ایک ایٹمی طیارہ بردار جہاز "انٹرپرائز" اور کئی دوسرے جنگی جہاز روانہ کئے تو روس نے خطرے سے نمٹنے کے لئے بحرالکاہل کے سوویت بحری بیڑے کے کئی جہاز خلیج بنگال میں بھیج دیئے چنانچہ جاپانی خبر رساں ایجنسی "کیوڈو" نے یہ رپورٹ دی "سوویت یونین نے بحرالکاہل کے سوویت بیڑے کے تقریباً ۲۷ جنگی جہاز بحر ہند میں بھیج دیئے ہیں۔ جن میں تین یا چار جہاز میزائلوں سے لیس ہیں، یہ اقدامات سوویت یونین اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے کئے ہیں"۔ ۱۶ دسمبر کو ٹائمز آف انڈیا نے روسی اقدامات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا "سوویت حکمرانوں نے اپنی طاقتور بحریہ کا ایک بیڑہ خلیج بنگال کی جانب روانہ کر دیا ہے یہ اقدام امریکہ کے ان اقدامات کے جواب میں کیا گیا ہے۔ جس کے تحت امریکہ نے اپنا ساتواں بحری بیڑہ اس علاقے میں بھیج دیا ہے"۔

برطانوی روزنامے "ڈیلی ٹیلی گراف" نے حال ہی میں بحر ہند میں سوویت توسیع پسندانہ سرگرمیوں اور سوویت بھارت گٹھ جوڑ کا راز افشا کرتے ہوئے لکھا کہ "سوویت یونین نے بھارت کے مشرقی ساحل پر بندرگاہ وشاکاپٹنم کی تعمیر و ترقی کے لئے بھارتی حکومت کو مدد دی، تاکہ اس بندرگاہ کو روسی آبدوزیں استعمال کر سکیں، روسی مشیر بھارتی بحریہ کو تربیت دے رہے ہیں اس کے معاوضہ میں بھارت نے جزائر انڈیمان اور نکوبار میں سوویت بحریہ کو اڈے فراہم کئے ہیں، جہاں مغربی ملکوں کے جہازوں کے داخلے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، بحر ہند میں اب بیس سے زیادہ سوویت جہاز بحری جاسوسی میں مصروف ہیں ایک درجن آبدوزیں بھی گشت کر رہی ہیں"۔

"ڈیلی ٹیلی گراف" مزید لکھتا ہے کہ بحر ہند میں تین سوویت جہاز ہوتے تھے، ۱۹۶۸ء کے بعد ان کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کر دیا گیا۔ مغربی مبصرین کے مطابق بحر ہند میں سوویت یونین کی موجودگی روسی بحریہ کے غلبہ کا ایک خطرناک پہلو بحر ہند کے چھوٹے ممالک پر اپنی گرفت مضبوط کرنے اور مشرقی افریقہ میں چین کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنا ہے۔ بھارت کا موقف یہ ہے کہ بڑی طاقتوں کو بحر ہند سے دور رہنا چاہیئے اسے بحری رقابت کی جولانگاہ نہیں بننا چاہیئے لیکن اب

روس بھارت کو 'کشتی' کے طور پر استعمال کر رہا ہے

بھارت روس کے ایک حلیف کی حیثیت سے روسی اقدامات کی حمایت کررہا ہے۔ بحر ہند کے دوسرے علاقوں میں جہاں وسیع علاقہ پر لنگر گاہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ سوویت اثرات بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے بہت سی لنگر گاہیں برطانوی بحریہ کے نقشوں میں بھی شامل ہیں۔ مارشیس بھی سوویت یونین کے حلقہ اسیری میں آچکا ہے ایک معاہدے کے تحت روس اُسے فنی امداد دے رہا ہے اور اس کے عوض مارشیس نے سوویت یونین کی "ماہی گیر کشتیوں" کے لئے بندرگاہ کی سہولتیں فراہم کی ہیں۔ یہ روسی کشتیاں اکثر ریڈار اور الیکٹرانک کا ساز و سامان لے جاتی ہیں۔ مارشیس سے ۲۱۵ میل شمال مشرق میں واقع غیر آباد جزائر کارگدوز، کاراجوزمیں روسی آبدوزوں کے کئی اڈے ہیں۔ اس علاقے کے جن دوسرے ملکوں کے ساتھ روس کے "ماہی گیری" کے معاہدات ہیں، ان میں پاکستان، سیلون، انڈونیشیا، صومالیہ، عراق، کویت، یمن، جنوبی یمن، تنزانیہ، مصر اور سوڈان شامل ہیں۔ اس طرح ۲۴ ممالک میں بحر ہند یا بحیرہ احمر میں کم از کم بیس بندرگاہیں روس کے زیر اثر ہیں۔ اس کے علاوہ ایک نئی روسی شاہراہ بھی ہے جو افغانستان تک گئی ہے۔ یہ شاہراہ افغانستان کے راستے روس کو بحیرہ عرب سے ملاتی ہے اس طرح ولاڈی واسٹک کے بحری راستے کے مقابلے میں اس شاہراہ سے بحر ہند کا راستہ بہت مختصر ہوگیا ہے۔"

حال ہی میں سوویت ترمیم پسند حکمران ٹولے نے امریکی سامراج پر "گن بوٹ پالیسی" اپنانے کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ "بحر ہند امریکی جھیل نہیں ہے" لیکن ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بحر ہند سوویت جھیل بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بھی "گن بوٹ پالیسی" پر کاربند ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ امریکی سامراج اور سوویت سوشل سامراج دونوں ہی بحر ہند پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتے ہیں۔

امریکہ بحرِ ہند میں

امریکی سامراج بھی ایک طویل عرصے سے بحر ہند پر حکمرانی کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے، چار برس قبل اس نے برطانوی نوآبادکاروں سے گٹھ جوڑ کرکے بحر ہند میں اپنے بحری جنگی جہاز بھیج دیئے اور فوجی اہمیت کے حامل جزیرے "ڈانگو گارشیا" میں بحری اڈے کی تعمیر تیز کردی۔ گذشتہ نومبر میں جب سوویت سوشل سامراجیوں کے اشارے پر بھارتی رجعت پسندوں نے مشرقی پاکستان پر حملہ کیا تو امریکی سامراج کو بحر ہند میں اپنی طاقت بڑھانے کا موقع مل گیا۔ صدر نکسن نے ۱۲ دسمبر کو بھارتی جارحیت کو "بڑا چیلنج اور اپنے مفادات" کے منافی قرار دیتے ہوئے اپنے ساتویں بحری بیڑے کو بحر ہند میں داخل ہونے کا حکم دے دیا۔ اس بیڑے میں دنیا کا سب سے بڑا ایٹمی طیارہ بردار جہاز "انٹرپرائز" بھی شامل تھا۔ یہ جہاز امریکی پرچم لہراتے ہوئے خلیج بنگال میں پاکستان کے "نجات دہندہ" کی حیثیت سے داخل ہوگئے۔

امریکی محکمہ دفاع کے ترجمان جیری فرائڈ ہیم نے ۶ جنوری ۱۹۷۲ء کو ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ "امریکی ایٹمی طیارہ بردار جہاز انٹرپرائز غیر معینہ مدت تک بحر ہند میں رہے گا"۔ پوچھا گیا کہ یہ غیر معینہ مدت کتنی طویل ہوسکتی ہے؟ اس کے جواب میں فرائڈ ہیم نے کہا کہ "اس وقت اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا"۔ بحر ہند میں انٹرپرائز کے قیام کی ضرورت کی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی کہ ساتویں بحری بیڑے کو بحر ہند میں "مزید تجربات" کی ضرورت ہے، محکمہ دفاع کے اس ترجمان نے اس بات پر زور دیا کہ "امریکی فوجی حکام نے ہمیشہ بحر ہند کو دنیا کا اہم مقام قرار دیا ہے ہم اس علاقے میں کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ساتواں امریکی بحری بیڑہ بحر ہند میں آسانی سے کام کرسکتا ہے"۔

جیری فرائڈ ہیم نے یکم جنوری کو بتایا کہ "بحر ہند کی ذمہ داریاں بحراوقیانوس کے امریکی بیڑے کی بجائے بحرالکاہل کے امریکی بحریہ کے سپرد کردی گئی ہیں۔ یہ تبدیلی جنوبی ایشیا کے بین الاقوامی حالات کے پیش نظر کی گئی ہے"۔ فرائڈ ہیم نے ان اطلاعات کی بھی تصدیق کردی کہ خلیج عرب و فارس میں بحرین کی بندرگاہوں میں برطانوی بحریہ کی جگہ امریکی بحریہ نے لے لی ہے۔ اور اس تبدیلی کا مقصد خلیج عرب و فارس میں "امریکی مفادات" کا تحفظ کرنا ہے۔ یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ "بحر ہند میں امریکی بحریہ کی طاقت بڑھانے کے لئے یہ اقدام کیا جارہا ہے کہ جب برطانوی بحریہ سوئیز کے مشرقی کنارے کو خالی کرے تو امریکہ اس کی جگہ اپنی بحریہ مقرر کردے، کیونکہ اس علاقے میں ۱۲ سے ۱۵ روسی بحری جنگی جہاز گشت کررہے ہیں"۔ ساتویں امریکی بحری بیڑے کے کمانڈر ولیم میک نے ۶ جنوری کو بتایا کہ اس کا جہاز کسی بھی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے گا۔ اور روسی جہازوں کے مقابلے میں بحرالکاہل اور بحر ہند میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرے گا۔

چھوٹے ممالک کا مؤقف

ایشیا اور افریقہ کے چھوٹے ممالک بحر ہند پر امریکی سامراج کی اجارہ داری چاہتے ہیں اور نہ ہی سوویت سوشل سامراجیوں کی، وہ ان عالمی وڈیروں کی اس پالیسی سے نالاں ہیں، وہ اپنی آزادی اور خود مختاری برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ سیلون اور زیمبیا نے امریکی سامراج اور سوویت سامراج کی توسیع پسندانہ منصوبوں کی شدید مذمت کی ہے۔ سیلون کی وزیر اعظم مسز بندرانائیکے نے حال ہی میں امریکی اور سوویت اثرات کو بحر ہند سے دور رکھنے کے لئے بحر ہند کو "امن کا علاقہ" قرار دینے پر زور دیا۔ اور امریکہ اور روس کی اس پالیسی کو بحر ہند کی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت قرار دیا۔

لیکن جنوبی ایشیا کے عوام کی آزادی اور ان کی خود مختاری کے خلاف امریکی سامراج اور سوویت سوشل سامراج کی یہ سازش ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ایشیا اور افریقہ کے عوام اپنی آزادی کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔ یہاں کے عوام نے اپنے لہو کا نذرانہ پیش کرکے ہر حالت میں اس پرچم کو بلند رکھا ہے یہ پرچم بلند سے بلند تر ہوں گے، سرنگوں نہیں، سامراجی اور سوشل سامراجی بھیڑیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ زمانہ بیت چکا جب وہ ایشیا اور افریقہ پر حکمرانی کرتے تھے، اور ان علاقوں کے عوام پر اپنی مرضی اور فیصلے مسلط کرتے تھے۔ موجودہ دور میں کوئی بھی طاقت خواہ وہ کتنی بڑی عالمی طاقت ہی کیوں نہ ہو ایشیا اور افریقہ کے عوام پر اپنے فیصلے مسلط نہیں کرسکتی۔ جنوبی ایشیا کے معاملات یہاں کے عوام ہی حل کرسکتے ہیں، بحر ہند میں امریکی سامراج اور سوویت سوشل سامراج کی مداخلت اور اجارہ داری برداشت نہیں کی جائے گی۔ اگر ان عالمی وڈیروں نے اس علاقے میں مداخلت اور جارحیت کی تو یہ علاقہ ان کا قبرستان ثابت ہوگا۔

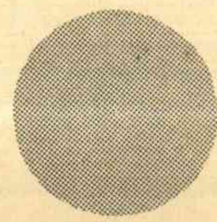
بحرین کی بندرگاہوں میں برطانوی بحریہ کی جگہ امریکی بحریہ

پاک جنگ ہی ٹولہ

پاکستان کے خلاف

گمراہ کن پروپیگنڈہ

کر رہا ہے



الفتح رپورٹ۔

جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے برعکس حالیہ پاک وبھارت جنگ اور بنگلہ دیش کے معاملہ میں امریکی سامراج نے پاکستان کا حلیف ہونے کا ڈھونگ رچایا۔ خلیج بنگال میں اپنا ساتواں بحری بیڑہ بھیج کر اپنے "مخلص" ہونے کا ثبوت مہیا کیا۔ حکومت پاکستان اور پاکستانی مقبوضہ پریس نے "پاک امریکہ دوستی" کی اصلیت سے باخبر ہونے کے باوجود انکل سام کی شان میں قصیدے لکھے اور اُسے پاکستان کا "نجات دہندہ" قرار دیا۔ امریکی سامراج نے خود تو بظاہر پاکستان کی حمایت کی، لیکن اپنے پٹھو ممالک کے حکمرانوں کو بھارت اور "بنگلہ دیش" کی حمایت کرنے کا اشارہ کیا۔ جنوبی کوریا کی سامراج نواز پٹھو حکومت اور پاک جنگ ہی ٹولے نے بنگلہ دیش کی حمایت کی اور جنوبی کوریا کے اخباروں نے پاکستان کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈہ کیا۔

جنوبی کوریا کے ممتاز اخبار "کورین ڈیلی" کی ایک خبر کا عکس

朝鮮日報

1971年3月30日

東파民兵, 대카占領

3個市도 장악

臨政수립·새通貨발행

政府 "鎭压·通禁" 해제

事態昏迷

日겐 男女모두 憤敗

抗爭과 抑压은 어디로

東파키스탄의 앞날

"鎭压"된다해도 정부군苦戰—兵力補給등에 限界

社会漫評

شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ خبر ۳۰ مارچ ۱۹۷۱ء کو شائع کی گئی۔ اس میں الزام لگایا گیا کہ مشرقی پاکستان میں قتل عام کیا جا رہا ہے سڑکوں پر لاشوں کے انبار لگ گئے ہیں۔

پاک جنگ ہی ٹولے نے صرف گمراہ کن پروپیگنڈہ ہی نہیں کیا بلکہ اپنی تمام خدمات اور ذرائع بنگلہ دیش کے قیام کے لئے وقف کر دیئے۔ جنوبی کوریا ہی نے سب سے پہلے نئی دہلی میں "امدادی کمیٹی برائے بنگلہ دیش" قائم کی، اس کمیٹی کا صدر جنوبی کوریا کا ایک سابق سفارتی نمائندہ تھا۔ بھارت کے ناپاک منصوبوں کی تکمیل کے لئے جنوبی کوریا نے "مشرقی پاکستان کے مہاجرین" کے فنڈ میں تقریباً پندرہ ہزار امریکی ڈالر دیئے۔

۷ نومبر ۱۹۷۱ء کو جنوبی کوریا کے ایک سابق وزیر اعظم مسٹر چانگ سیاون دوم نے بھارت کا دورہ کیا۔ نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے انکشاف کیا کہ بین الاقوامی پارلیمانی فیڈریشن پیرس کے اجلاس میں انہوں نے بنگلہ دیش کی بھرپور حمایت کی تھی۔ یہ تمام واقعات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جنوبی کوریا نے بھارت کے ناپاک منصوبوں میں جن کا واحد مقصد پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا۔ بھارتی حکومت سے بھرپور تعاون کیا۔

مقام حیرت ہے کہ حکومت پاکستان اور اس کے دفتر خارجہ نے ابھی تک اس بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ دفتر خارجہ کے ارباب اقتدار کو اتنی بھی توفیق نہ ہوئی کہ وہ جنوبی کوریا کی پٹھو حکومت "سے سخت احتجاج" ہی کرتے۔

ادبی سرگرمیاں

"زندگی کی توانا قدروں کو آگے نہ بڑھایا تو ہمارا ادب بے جان ہو کر رہ جائیگا"



انجمن ترقی پسند مصنفین کراچی کی کنوینگ کمیٹی کے اراکین

انجمن ترقی پسند مصنفین کی تنظیمِ نو

کانفرنس کی تیاریاں - ادبی نشستوں کا آغاز

نمائندہ الفتح

ترقی پسند مصنفین کی ایک نشست چوہدری نرسری میں مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۷۲ء بروز اتوار زیر صدارت پروفیسر مجنوں گورکھپوری صاحب منعقد ہوئی، جناب صدر نے انجمن کے احیاء پر اپنی دعاؤں اور نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ "مجھے یہ سن کر دلی خوشی ہوئی کہ آپ لوگ انجمن ترقی پسند مصنفین کے دوبارہ قیام کے لئے کوشاں ہیں۔ اس نیک مقصد میں آپ لوگ مجھے ہر طرح کے تعاون کے لئے تیار پائیں گے"۔ انہوں نے کہا کہ ماضی میں بھی میری ہمدردیاں اور میری ادبی خدمات ہمیشہ ترقی پسند تحریک کے ساتھ رہی ہیں۔ گو بعض مواقع پر میں نے ترقی پسند ادیبوں کو ٹوکا بھی ہے اور ان کی بعض کوتاہیوں کی نشاندہی بھی کی ہے یہ سب کچھ ترقی پسند تحریک کو صحیح سمت کی جانب رواں دواں رکھنے کے لئے تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے بعض ادیبوں اور شاعروں کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ ایسے لوگ جو زندگی میں ایک آدھ بار کوئی ایسی چیز لکھ لیتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ اس مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں کہ یہ بھی ترقی پسند ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا، ان کی تمام دوسری تخلیقات اور ان کا عمل ان کے غیر ترقی پسند ہونے کی غمازی کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ اس موقع پر جبکہ انجمن ترقی پسند مصنفین کا پھر سے قیام عمل میں لایا جا رہا ہے تو ضروری ہے کہ ایسے موقع پرست عناصر کی طرف سے ہوشیار رہا جائے، جن کی وجہ سے ماضی میں ہمیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور اب پھر جن کی طرف سے ہماری نیک نامی پر حرف آنے کا خدشہ ہو سکتا ہے۔

• جناب حمید کاشمیری نے صاحب صدر کی توجہ انجمن کی تنظیم نو کی طرف دلاتے ہوئے کہا کہ اس موقع پر ہمیں کچھ ضروری امور کے متعلق طے کر لینا چاہیئے جن کی روشنی میں آئندہ کام کرنا ہے

جناب شوکت صدیقی نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا "ہمیں اپنے آئندہ لائحہ عمل کے لئے ماضی کے منشوروں کو سامنے رکھ کر موجودہ حالات کے تقاضوں کے تحت ایک نیا منشور ترتیب دینا ہوگا، جس کے تحت آگے چل کر کام کیا جا سکے"۔ اس موقع



پروفیسر مجنوں گورکھپوری ترقی پسند مصنفین کی پہلی نشست کی صدارت فرما رہے ہیں

پر جناب عتیق احمد نے ۱۹۵۲ء کی ترقی پسند مصنفین کانفرنس منعقدہ کراچی کے منظور شدہ منشور کی کاپیاں حاضرین میں تقسیم کیں اور صاحب صدر کی اجازت سے اسے پڑھ کر سنایا۔

اس کے بعد متفقہ طور پر طے پایا کہ جب تک بین الصوبائی سطح پر کسی کانفرنس میں منشور پر بحث و تمحیص کے بعد اسے نئی شکل نہیں دی جاتی اس وقت تک ۱۹۵۲ء والے منشور کو برقرار رکھا جائے۔ سید انور نے انجمن ترقی پسند مصنفین کو از سر نو منظم کرنے اور ترقی پسند ادیبوں سے رابطہ قائم کرنے کے لئے ایک کنوینگ کمیٹی کی تجویز پیش کی، جسے اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا اور مندرجہ ذیل اہل قلم پر مشتمل ایک کنوینگ کمیٹی متفقہ طور پر منتخب کی گئی، رفیق چوہدری، شوکت صدیقی سید انور، حسن عابدی، حمید کاشمیری اور عتیق احمد۔

کنوینگ کمیٹی کے قیام کے بعد کراچی کی سطح پر ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس منعقد کرنے یا پندرہ روزہ ادبی نشستوں کا سلسلہ شروع کرنے کے بارے میں غور و خوض کے بعد یہ طے پایا کہ فی الحال پندرہ روزہ ادبی نشستوں کا آغاز کر دیا جائے۔ اور ساتھ ہی کراچی کی سطح پر کانفرنس کے سلسلے میں تیاریاں شروع کر دی جائیں۔ اس کے بعد مستقبل قریب میں بین الصوبائی ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس بلانے کا اہتمام کیا جائے۔ نیز یہ بھی طے پایا کہ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ انجمن ترقی پسند مصنفین کا دفتر واقع محمدی بلڈنگ بندر روڈ واپس دلایا جائے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی آئندہ نشست ۴ فروری ۱۹۷۲ء بروز جمعہ منعقد ہو گی جن میں سید انور، افسانہ، انور احسن صدیقی نظم تنقید کے لئے پیش کریں گے۔ اس کے علاوہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی تنظیم نو سے متعلق امور پر بات چیت ہو گی۔

منشور

(جو انجمن ترقی پسند مصنفین کے اجلاس منعقدہ ۵۲ء میں منظور کیا گیا)

ترقی پسند ادب کی تحریک نے ہمارے سماجی شعور کے ارتقاء اور معاشرتی تقاضوں کا بھرپور اظہار کیا ہے اور ادب میں سائنٹیفک نقطۂ نظر، جمہوری اقدار اور انسان دوستی کو فروغ دیا ہے۔ یہ ترقی پسند ادب ہی کا کارنامہ ہے کہ ہمارے ادب میں قنوطیت انفعالیت، قدامت پرستی، مقدر پرستی اور زندگی کو فریب محض سمجھنے کے تصورات کمزور پڑ گئے ہیں۔ اسی تحریک نے ادب اور زندگی کے رشتہ کو تصوری طور پر واضح کیا ہے۔

ہم اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ آج بھی ہمارے ملک میں دو قسم کے ایسے رجحانات پائے جاتے ہیں جو ہمارے ادب کی ترقی کی راہ میں حائل ہیں، ایک تو وہ رجحانات ہیں جو پرانے نظام معیشت کی پسماندگی کا نتیجہ ہیں، دوسرے وہ رجحانات جو مغربی استعمار کے آوردہ اور پروردہ مثلاً ہیئت پرستی، سرّیت، حیوانیت، فحش نگاری، جنسی انتہا پسندی ابہام پسندی اور رہبانیت۔

آج اگر ہمارے ملک کے باشعور ادیبوں نے ان خطرناک رجحانات کو بے نقاب نہ کیا اور زندگی کی توانا قدروں کو آگے نہ بڑھایا تو ہمارا ادب بے جان ہو کر رہ جائے گا۔

انجمن ترقی پسند مصنفین ایک ادبی جماعت ہے اور اس کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے نہیں ترقی پسند ادیب ادب کو زندگی کا ترجمان اور معمار سمجھتے ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ اختلافی ادبی مسائل کو بحث و استدلال کے ذریعہ طے کیا جائے ہماری انجمن صحت مند ادب کی تخلیق کے لئے ملک میں

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں



اڈے بند ہو جانے سے بھتہ کہاں سے ملے گا؟

کراچی

پولیس کو تنخواہ نہیں، منشیات کے اڈوں کی ضرورت ہے

ع۔ر لدھیانوی

کراچی میں منشیات کے اڈے بند ہو سکتے ہیں، جرائم میں کمی ہو سکتی ہے. لیکن کیا پولیس ان اڈوں کا خاتمہ پسند کرے گی جرائم کی کمی پولیس کے لئے سود مند ہو گی؟ حقیقت یہ ہے کہ پولیس ان اڈوں کو ختم کرنے کی راہ میں پہلی اور آخری رکاوٹ ہے. کیونکہ اڈے بند ہو جانے سے پولیس کا "بھتہ" بند ہو جائے گا. منشیات کے خفیہ اڈے ملک کے ہر شہر اور ہر قصبہ میں موجود ہیں، شہری ان کے خاتمہ کے لئے مطالبات کرتے رہتے ہیں. لیکن ان اڈوں میں ہونے والے کاروبار میں ابھی کمی نہیں ہوئی ملک کے دوسرے شہروں کی طرح یہ مسئلہ کراچی میں بھی موجود ہے اور خاص کر کراچی کے مضافات کی حالت قابل غور ہے. کورنگی میں مختلف مقامات پر منشیات کے اڈے پولیس کی سرپرستی میں چل رہے ہیں. کورنگی نمبر ا کورنگی نمبر ۳، کورنگی نمبر ۵ اور کورنگی نمبر ۱ بس اسٹاپ مارکیٹ نوان افراد کا گڑھ ہے نالے پر رکھے ہوئے ایک کیبن میں ایک پاپیج آدمی بیٹھا ہوا نظر آتا ہے جس کے ارد گرد نئی نسل کے نوجوان مرجھائے ہوتے چہرے گندے کپڑے بال بکھرے ہوئے کافی تعداد میں جمع رہتے ہیں، پولیس کے سپاہی باوردی اور بے وردی بھی آتے رہتے ہیں، اس کے علاوہ سڑک کے کنارے لائنز کلب روڈ پر ایک چھوٹا سا کیبن رکھا ہے جس کے اندر ایک شخص شکور نامی کالا رنگ چھوٹے کان چھوٹا قد آنکھوں میں چرس کا خمار، بیٹھا ہوا ملے گا. کیبن بظاہر پان سگریٹ فروش کا معلوم ہو گا مگر آپ کو جتنی ڈبیاں سگرٹ کی نظر آتی ہیں وہ اکثر خالی ہوں گی، پان کا تو کہیں نام نہیں ملے گا، ہاں آپ چرس و افیون اور شراب مانگیں فوراً آپ کی خدمت میں حاضر کر دی جائے گی، پولیس کے سپاہی صبح و شام اپنی ڈیوٹی دینے آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں. ان اڈوں کو ختم کرنے کے لئے شہریوں نے بہت زور مارا، مختلف اڈوں کی نشاندہی بھی کی گئی لیکن پولیس کو نہ کوئی کارروائی کرنا تھی، نہ اس نے کی، بلکہ ان شریف آدمیوں کو ہی پریشان کیا جنہوں نے اس سلسلہ میں پولیس کی مدد کی تھی.

کورنگی پولیس جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ افزائی ہی نہیں کرتی بلکہ ان کی مدد بھی کرتی ہے اور شریف لوگوں کے خلاف جرائم پیشہ افراد سے جھوٹے کیس درج کراتی ہے رات کو گشت پر پولیس والوں کے ساتھ اکثر سفید کپڑوں میں لوگ گشت کرتے ہیں، صبح ہوتے ہی پتہ چلتا ہے کہ فلاں دوکان کا تالہ ٹوٹا ہوا پایا. فلاں مکان میں چوری ہو گئی. ایسے واقعات تیرہ روزہ جنگ کے دوران بلیک آوٹ میں اکثر پیش آئے.

سیکٹر ۱۵ بی جرائم کی آماجگاہ بن چکا ہے، مختلف کوارٹروں میں جوا کھیلا جاتا ہے، چرس، افیون اور شراب کا کھلے بندوں کاروبار چلتا ہے، سر عام محلے میں چرس پیتے ہیں، سر عام تاش کھیلی جاتی ہے. کسی کی کیا مجال جوان افراد سے بات کر سکے جیب تراشوں کا سرغنہ شفیو بڑے ٹھاٹ سے محلے میں گھومتا ہے. کوئی کام کاج نہیں کرتا اس کے گرد دس بارہ اس کے شاگرد خدمت کرنے کے لئے جمع رہتے ہیں، محلے میں جس کی عزت جب چاہی اتار دی کوئی بھی شخص اس کے سامنے بولنے کی جرأت نہیں کرتا، ۱۳ جنوری ۱۹۷۲ء کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں، مذکورہ شخص نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ شراب پی کر محلے کے تمام مکانوں کے مکینوں کو للکارا اور دروازے توڑے فحش گالیاں دیں، چھرا ہاتھ میں لئے گھومتے رہے کوئی روکنے والا نہیں تھا. پولیس کو اطلاع ملی تو ان کے لئے جب تک ٹیکسی کا بندوبست نہ کیا جائے پولیس موقع واردات پر نہیں پہنچتی، چاہے اس کے پہنچنے تک قتل ہی کیوں نہ ہو جائے. کورنگی پولیس کا رنگ ہی نرالا ہے. انچارج کے پاس رپورٹ کرنے جائیں تو آپ کی بات سننا بھی گوارہ نہیں کرتے فوراً حکم ہو گا جایئے فلاں کو درخواست دو، فلاں کو رپورٹ لکھوایئے چار حرف سننا گوارہ کرنا ان کی شان کے خلاف ہے ایسے افسران جو کہ فرعون بن گئے ہیں، ابھی تک نہیں سمجھے. جبکہ ملک میں نمائندہ حکومت قائم ہو چکی ہے اور ہر جابر کے لئے اس سے بچنا مشکل ہے.

کورنگی پولیس جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرتی ہے اس کی زندہ مثال ۱۳ جنوری کا واقعہ ہے جس کی رپورٹ اور اہل محلہ کی درخواست تھانہ میں موجود ہے اور اس غنڈے کو ایک "شریف غنڈے" کی سفارش پر چھوڑ دیا گیا حالانکہ سفارش کنندہ خود بھی ہسٹری شیٹر چور ہے اس کے خلاف اب بھی کئی مقدمات کورٹ میں زیر سماعت ہیں مگر سب پیپلز پارٹی کا لیبل لگا کر آج سرگرم کارکن بن گئے اور ماضی کو فراموش کر کے حال کو خوش کرنے کی یہ ناکام کوشش کامیاب نہیں ہو گی، پیپلز پارٹی غنڈوں اور جرائم پیشہ افراد کی بیخ کنی کے لئے عمل میں آئی ہے نہ کہ ان کی سرپرستی کے لئے جو لوگ پارٹی سے ناجائز طور پر فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں اور ان کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کو اپنے کئے کی سزا ملے گی عوام معاف نہیں کریں گے، نہ ان کی پولیس مدد کر سکے گی اور نہ پارٹی۔ ہمیں معاشرہ کو پاک و صاف کرنا ہے ہم نئے عزم لے کر میدان میں آئے ہیں نیا جوش ہے کہیں اپنے ہوش نہ گم کر بیٹھیں اگر اس موجودہ دور میں بھی جرائم پیشہ لوگوں اور پولیس کی حوصلہ افزائی پہلے کی طرح ظالم اور جابر دور کی طرح ہوتی رہی تو کوئی فرق باقی نہیں رہے گا. ماضی اور حال میں.

پولیس نشاندہی کے باوجود چرس، افیون اور شراب اور جوا کے خفیہ اڈوں پر چھاپے نہیں مارتی. کراچی شہر کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں چرس، افیون، راکٹ، ہیتھوڈرین، مارفیا اور گانجا فروخت نہ ہوتا ہو اس مکروہ کاروبار کی وجہ سے نوجوانوں کی صحت پر برا اثر پڑ رہا ہے، اس کا اندازہ رات کو شہر کے پس ماندہ علاقوں کی بستیوں میں جا کر آسانی کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے، جہاں ہر گلی میں منشیات کے عادی نوجوان نشہ کی حالت میں نالیوں میں اور فٹ پاتھوں پر گرے ہوتے دکھائی دیں گے.

پولیس والے نے ایک راہ گیر کی جیب کاٹ لی، واقعہ بڑا دلچسپ بھی ہے اور حیران کن بھی، عبد الحمید نامی ایک شخص مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۷۲ء کو ملیر سے لانڈھی نمبر ۶ پر بس سے اترا تو تین سفید پوش پولیس والوں نے پکڑ لیا اور کہا کہ تم جیب تراش ہو لہٰذا تھانے چلو، عبد الحمید نے بتایا کہ نواب بہاولپور کے بنگلہ واقع ملیر میں مالی کا کام کرتا ہوں اور اب واپس اپنے گھر آیا ہوں میں ایک شریف آدمی ہوں مگر پولیس والے تو کہاں مانتے لاتوں مکوں سے مارنا شروع کیا اور لانڈھی نمبر ۶ سے تھانہ لانڈھی تک مارتے لے گئے وہاں جا کر ایک الگ کمرے میں بند کر دیا اور تھوڑی

دیر کے بعد اشرف نامی سپاہی آیا۔ جامہ تلاشی لی گئی پانچ روپے تھے جن میں سے چار روپے لے کر ایک روپیہ واپس کر دیا اور مذکورہ شخص کو دھکے دے کر تھانہ سے نکال دیا۔ عبدالحمید روتا ہوا پیپلز پارٹی کے دفتر واقع کورنگی نمبر ۶ پہنچا جہاں پر اپنی آپ بیتی بیان کی اور پولیس والوں کی مار کے نشان بھی دکھائے ان کے خلاف کیا ایکشن ہو گا۔ یہ موجودہ حکومت کے نمائندے جانیں یا لالہ بھی کورنگی پیپلز پارٹی کے لیڈر۔

کراچی میں ایک عام شخص کے لئے اسلحہ کا لائسنس حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے لیکن جرائم پیشہ افراد اور منشیات کا کاروبار کرنے والے افراد کے پاس ناجائز اسلحے کے ساتھ لائسنس یافتہ اسلحہ بھی کافی مقدار میں پایا جاتا ہے اور یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ لائسنس کراچی کی انتظامیہ سے نہیں بلکہ بلوچستان اور سرحد سے حاصل کر رکھے ہیں۔

کورنگی کے عوام مایوس ہو چکے ہیں کہ پولیس منشیات فروشوں، جرائم پیشہ افراد اور جوئے کے اڈوں کے خلاف پولیس کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتی تو انہوں نے اس لعنت کو ختم کرنے کے لئے خود قدم اٹھانے کے لئے ایک مہم شروع کرنے کا فیصلہ کرنا ہو گا۔ اخبارات میں روزانہ خبریں شائع ہوتی ہیں۔ پولیس کو حکام بالا کی ہدایات شائع ہوتی ہیں مگر وہی چال بے ڈھنگی سی جو پہلے بھی سو اب ہے، ڈپٹی کمشنر، جنرل پولیس کو ان اڈوں کو ختم کرنے کی سختی سے ہدایت کرتے ہیں لیکن آج تک ان ہدایات پر عمل درآمد نہیں ہوا، آخر کیوں اس کی کیا وجوہات ہیں وہ کون سے ایسے حالات ہیں جو ان جرائم پیشہ افراد اور منشیات فروشوں کا قلع قمع کرنے سے روک دیتے ہیں۔ جرائم پیشہ افراد کو ہمارے موجودہ معاشرے میں قانونی، معاشرتی، سماجی اور مذہبی زندگی میں کتنا اثر و رسوخ حاصل ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی اکثریت سرکاری حکام کی فہرست میں معززین شہر کی حیثیت سے شامل ہے یہ لوگ اکثر و بیشتر مذہبی اور سماجی تقریبات کی صدارت بھی کرتے نظر آتے ہیں اور پولیس کی دلالی بھی کرتے ہیں پولیس افسران کو اپنا بیٹا بنا کر اور ابا حضور بن کر خدمت کرتے ہیں۔

لائلپور میں واپڈا اور صنعتکاروں کا گٹھ جوڑ

جاذب سہیل

لائلپور میں تقریباً اڑھائی لاکھ مزدور ہیں جو پہلے ہی انتہائی کس مپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ کہ اب بجلی کی کمی اور بے قاعدہ سپلائی سے ایک لاکھ سے زائد مزدور بے کار ہو گئے ہیں۔ پاورلومز کے تقریباً ۸۰ ہزار مزدور فاقوں کا شکار ہونے کے علاوہ زندگی کے شدید ترین بحران میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ ٹیکسٹائل ملوں، فاؤنڈریوں فلور ملوں۔ گھی ملوں اور دیگر صنعتی اداروں اور کارخانوں میں بھی یہی صورت حال ہے جس سے اڑھائی لاکھ مزدوروں کا مستقبل خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ سرمایہ دار موجودہ صورتحال میں مزدوروں کو آدھی تنخواہ تک دینے پر بھی آمادہ نہیں ہیں ان کا موقف ہے کہ بجلی کی قلت کے باعث ایسا ناممکن ہے جب کہ مزدور دو وقت کی روٹی سے بھی محروم ہو گیا ہے۔ جن کارخانوں، ملوں اور دیگر صنعتی اداروں میں دو شفٹیں چلا کرتی تھیں۔ اب ایک شفٹ بھی نہیں رہی جس سے سنگین بحرانی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور مزدوروں میں سخت بے چینی اور اضطراب پھیل گیا ہے۔ واپڈا کے حکام صنعتی اداروں کو نہ تو بجلی کے بند کرنے کے بارے میں اطلاع دیتے ہیں اور نہ کسی پروگرام کے تحت بجلی سپلائی کی جاتی ہے۔ عجیب بے چینی اور افراتفری پیدا کر دی گئی۔

لائلپور کے مزدوروں کے نمائندوں، پیپلز پارٹی، قومی وصوبائی اسمبلی کے ارکان کے علاوہ دیگر سماجی وسیاسی حلقوں نے مزدوروں کی موجودہ خستہ حالی اور پریشانی کو دور کرنے کے لئے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ مزدوروں اور مل مالکان سرمایہ داروں کے درمیان کوئی ایسا قابل قبول سمجھوتہ کرائے۔ جس کے تحت لائل پور کا اڑھائی لاکھ مزدور روح اور جسم کا رشتہ قائم رکھ سکے۔ ان حلقوں نے واپڈا کے نااہل افسران اور بد دیانت نوکر شاہی کے کارندوں کے ——— خلاف بحرانی کیفیت پیدا کرنے اور بدعنوانیوں کے ارتکاب کے سلسلے میں فوری کارروائی کرنے کا بھی مطالبہ کیا اور کہا بجلی کی قلت پیدا کرنے میں نہ صرف واپڈا کے نااہل افسران کی ناقص منصوبہ بندی کا دخل ہے بلکہ سرمایہ دار اجارہ داروں کی ملی بھگت سے ایسی تباہ کن صورت حال پیدا کی گئی ہے تاکہ مزدوروں میں بے چینی پیدا کر کے انہیں مشتعل کیا جائے۔ عوامی حلقوں نے سرمایہ داروں کی مزدور کش پالیسیوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ جو مل مالکان، کارخانہ دار، اور دیگر صنعتی اداروں کے مالک متبادل بجلی کی فراہمی کا انتظام کرنے کے اہل ہیں۔ وہ جان بوجھ کر جنریٹر نہیں چلاتے جن کا واحد مقصد ملک میں بدامنی پھیلانا اور مزدوروں میں بددلی پیدا کر کے ہنگامے کروانا ہے تاکہ موجودہ حکومت کو لاتعداد مسائل پیدا کر کے الجھا دیا جائے۔ موجودہ بجلی کی قلت سے شہر کے اکثر و بیشتر حصے تاریکی میں ڈوبے رہتے ہیں۔ سماج دشمن عناصر نے اندھیروں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوٹ مار، چوری اور راہزنی کی وارداتوں کو منظم طریقہ سے شروع کر دیا ہے۔ اس طرح غریب عوام بھوک کی بھیانک آگ میں جلنے کے ساتھ ساتھ خوف وہراس کی شدید گھٹن میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ دریں اثناء پرنٹنگ، ڈائنگ اور کلنڈرنگ ورکرز یونین نے مالکان پر الزام لگایا ہے کہ انہیں نہ صرف تنخواہیں کم دی جاتی ہیں بلکہ ان پر ظلم وتشدد بھی کیا جاتا ہے اور کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں دی جاتی یعنی متذکرہ اداروں میں تو مزدوروں سے بارہ گھنٹے سے بھی زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ پرنٹنگ، ڈائنگ اور کلنڈرنگ ورکرز یونین نے مندرجہ ذیل مطالبات کو فوری طور پر تسلیم کر لینے پر زور دیا ہے۔

(۱) اوقات کار مقرر کئے جائیں۔ ڈیوٹی آٹھ گھنٹے لی جائے (۲) اوورٹائم مطابق قانون ملنا چاہیئے (۳) چھانٹی بند کی جائے (۴) حاضری کارڈ اور سروس بک فوری طور پر ملنی چاہیئے (۵) حاضری رجسٹر گیٹ پر موجود ہونا چاہیئے۔ (۶) چوکیدار ۸ گھنٹے سے زیادہ ڈیوٹی نہیں دے گا (۷) گورنمنٹ کی مقرر کردہ مزدور کی ابتدائی تنخواہ -/۱۴۰ روپے اور کاریگر کی تنخواہ -/۲۵۰ روپے مقرر کی جائے (۸) بونس باقاعدہ ہر سال ادا کیا جائے (۹) اتفاقیہ چھٹیاں بمطابق قانون دی جائیں (۱۰) فیکٹریوں میں موسم کے لحاظ سے مناسب انتظام ہونا چاہیئے (۱۱) میڈیکل چھٹیاں دی جائیں (۱۲) ہفتہ وار چھٹی با تنخواہ دی جائے (۱۳) میڈیکل الاؤنس اور کوارٹر الاؤنس دیا جائے (۱۴) اوورٹائم مزدوروں سے زبردستی نہ لگوایا جائے (۱۵) مزدوروں کی تنخواہ، اور ۲۲ تاریخ کو دی جائے (۱۶) مزدوروں کے بچوں کی تعلیم کا مناسب بندوبست کیا جائے۔ اس انتظام کی ذمہ داری مالکان پر ہونی چاہیئے۔ (۱۷) تمام مالکان مزدور یونین کو تسلیم کریں (۱۸) چھانٹی شدہ ملازمین کو بحال کیا جائے۔

علاوہ ازیں پورے پاکستان میں کسانوں کی بیدخلیاں نہ صرف پوری شدت سے جاری ہیں بلکہ جاگیرداروں نے مزارعین کو مختلف مقدموں میں الجھا کر ان کی زندگی اجیرن کر دی ہے لائل پور ضلع میں بھی کسان انتہائی کس مپرسی کا شکار ہو گئے ہیں۔ حکومت کو چاہیئے وہ ایسی پالیسیوں کو بروئے عمل لائے

جن سے سرمایہ داری، جاگیرداری اور استحصالی نظام کا خاتمہ ہوسکے اور ایک خوش حال معاشرہ کی بنیاد رکھی جاسکے اگر مزدوروں، کسانوں، طالب علموں اور دوسرے مظلوم طبقوں میں بے چینی اس طرح بڑھتی رہی تو نہ صرف زبردست ہنگاموں کا آغاز ہوجائے گا بلکہ ملک میں پھر خطرناک حالات پیدا ہوجائیں گے۔ جن پر قابو پانا ناممکن ہوجائے گا۔ اس ضمن میں سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوکرشاہی کی ملی بھگت کو ختم کرکے عوام پر مکمل اعتماد کرنے کی ضرورت ہے لائلپور کے عوامی ترقی پسند حلقوں نے سوشلسٹ نظام معیشت کو رائج کرکے بنیادی انقلابی تبدیلیاں کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ جب تک سوشلزم کے اصولوں کے تابع استحصالی نظام کو ختم کرکے عوامی حاکمیت کو بحال نہیں کیا جاتا رجعت پسند اور بورژوا طبقوں سازشوں کا جال پھیلا کر عوام کو سنگین حالات سے دوچار کردے گا۔

سکھر کی فروٹ مارکیٹ ۔ چند وڈیروں کی جاگیر

الفتح رپورٹ

سکھر فروٹ مارکیٹ کے دو تاجروں محمد بشیر، محمد اسلام اور عبدالحلیم نے صدر بھٹو، وزیر خزانہ اور گورنر سندھ کو ایک مشترکہ عرضداشت روانہ کی ہے جس میں مطالبہ کیا ہے کہ سکھر فروٹ اور سبزی مارکیٹ میں چند تاجروں کی اجارہ داری ختم کی جائے اور خواہش مند تاجروں کو تجارت میں حصہ لینے کی عام اجازت دی جائے۔

عرضداشت میں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا ہے کہ حکام بالا نے فروٹ اور سبزی مارکیٹ پر اجارہ داری برقرار رکھنے کے لئے ان تاجروں کو پرائیویٹ مارکیٹ تعمیر کرنے کے لئے نہ صرف یہ کہ اجازت دے دی ہے بلکہ ان کو پلاٹ بھی الاٹ کردیئے ہیں۔ تاجروں نے حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ خود مارکیٹ تعمیر کرے اور اس میں خواہش مند تاجروں کو تجارت کی عام اجازت دی جائے تاکہ اجارہ داری کے فرسودہ سابقہ نظام کے سہارے لوگوں کو اپنی تجوریاں بھرنے کے مواقع میسر نہ آسکیں۔ اپیل میں کہا گیا ہے کہ سکھر فروٹ منڈی کا نام نہاد ٹھیکیدار پراسرار ہاتھوں کے اشاروں پر اجارہ داری قائم کئے ہوئے ہیں۔ چند تاجروں کے علاوہ کسی کو فروٹ کمیشن ایجنٹس کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت نہیں۔

تقریباً ۵ سال قبل سکھر فروٹ منڈی وکٹوریہ مارکیٹ میں قائم تھی۔ اس وقت کا ٹھیکیدار میونسپل کمیٹی کو سالانہ ۲۰۰۰ روپے ادا کرتا تھا۔ ہر تاجر کو اپنی خواہش کے مطابق کاروبار کرنے کی اجازت تھی۔ بشرطیکہ وہ میونسپل شیڈول کے تحت ٹھیکیدار کو مارکیٹ فیس ادا کرے۔ اس دوران ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت فروٹ منڈی کے چند تاجروں نے اجارہ داری قائم کرنے کے لئے ایک فرضی ایسوسی ایشن بنائی اور اپنا اثرورسوخ استعمال کرکے ضلع کونسل کی ایک بلڈنگ جس میں ۵۲ دکانیں اور وسیع پلاٹ ہے۔ ضلع کونسل سے بحوالہ حکم نامہ ای پی۔ ۱۷۹۰۰ اگ ۱۹۶۶۔ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۶۶ء کرائے پر لے لیا۔ کرایہ صرف دو ہزار روپے ماہانہ تھا اور یہ معاہدہ ۲۵ جولائی ۱۹۶۷ء تک کے لئے تھا۔ لیکن ایسوسی ایشن نے میونسپل کمیٹی کی اجازت لئے بغیر اس پلاٹ میں فروٹ مارکیٹ بنالی۔ اس پر میونسپل کمیٹی کی جانب سے فوری کارروائی کی گئی۔ چند تاجر گرفتار بھی ہوئے۔ بلدیہ سکھر اور تاجروں کی جانب سے ہائی کورٹ مغربی پاکستان کراچی برانچ میں مقدمات درج کئے گئے۔

اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے اثرورسوخ کے ذریعے بلدیہ سکھر سے صرف ۴۰۰۰/- روپے سالانہ ادا کرنے کے عوض بلدیہ سے پرائیویٹ مارکیٹ قائم کرنے کی اجازت لی۔ بلدیہ پرانے لائسنس نمبر ۵۳۶ بتاریخ ۵ اپریل ۱۹۶۷ء بابت میونسپل ایڈمنسٹریشن آرڈی ننس ۱۹۶۰ء کے تحت ان کی دھاندلیوں کے دیکھتے ہوئے بھی ان کو مارکیٹ قائم کرنے کی اجازت دی اور ۱۲ ستمبر ۱۹۶۷ء کو فروٹ منڈی کے نام نہاد ایسوسی ایشن کے صدر محمد رمضان اور بلدیہ سکھر کے سابق چیئرمین احمد مقصود حمیدی کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط ہوئے۔ جس کے ذریعے دونوں پارٹیوں نے قانونی کارروائیاں واپس لے لیں۔ بلدیہ اور ان لوگوں کے معاہدے کی شرط نمبر ۲ میں یہ صاف طور پر لکھ دیا گیا تھا کہ ان لوگوں کو اس وقت کے لئے اجازت دی جا رہی ہے۔ جب تک بلدیہ سکھر اپنی نئی مارکیٹ تعمیر نہ کرے۔ اس کے بعد بلدیہ سکھر نے اس مقصد کے لئے ہزاروں روپے صرف کرکے ریس کورس روڈ پر ایک مارکیٹ تعمیر کرائی جہاں آج کل گوشت مارکیٹ ہے۔ اس کے بعد چیف آفیسر سکھر بلدیہ کی جانب سے ان کو اس مارکیٹ میں منتقل ہوجانے کی درخواست کی گئی (بحوالہ لیٹر نمبر ۷۷/۷۴/۳ x ۳ مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۶۹ء)

لیکن ان اجارہ داروں نے نئی مارکیٹ میں منتقل ہونے کی بجائے مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۶۹ء کو ایک خط کے ذریعے حکام بلدیہ کو جگہ کی کمی کا بہانہ بنا کر معذوری ظاہر کردی۔

معلوم نہیں کن وجوہات کی بناء پر بلدیہ سکھر نے ان کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہ کی۔ جب کہ بلدیہ نے ایک معاہدے کی رو سے ان کو پابند کیا تھا کہ وہ نئی مارکیٹ کے بننے پر وہاں منتقل ہوجائیں گے۔ اسی معاہدے کے تحت بلدیہ کی جانب سے ایک شیڈول مرتب کیا گیا تھا کہ ٹھیکیدار اس شیڈول کے تحت مارکیٹ میں کام کرنے والے تاجروں سے ٹیکس وصول کرنے کا مجاز ہوگا۔ لیکن اس شیڈول ٹیکس کی ہمیشہ سے بیخ کنی ہورہی ہے۔

بارسوخ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس طرح زیادہ ٹیکس وصول کرنے پر گذشتہ دنوں مارکیٹ کے چند تاجروں نے آواز بلند بھی کی تھی۔ اس کے علاوہ ٹھیکیدار ناجائز ٹیکس وصول کرتا ہے۔ جس کا ذکر شیڈول میں نہیں ہے۔ وہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی مزدور بھی وہیکل مارکیٹ سے مال لے کر جب باہر نکلتا ہے تو وہ ٹیکس وصول کرلیتے ہیں جو کہ سراسر ناجائز اور غیر قانونی ہیں۔ اس کے خلاف بھی گزشتہ دنوں آوازیں اٹھائی گئیں۔ لیکن معلوم نہیں ہے کہ ان کا کیا ہوا۔ چونکہ مارکیٹ میں کام کرنے والے تاجروں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے۔ جو ہماری مدد کرسکے۔ یا ہم کو صحیح راستہ سے آگاہ کرسکے۔ یہ ہی ایک وجہ ہے کہ ہم حکام بالا کو اپنی دکھ بھری روداد سنا رہے ہیں۔

ان تمام مدارج، حالات سے گزرنے کے بعد یہ لوگ اپنا اثرورسوخ استعمال کرتے کرتے گذشتہ پانچ سال سے اسی مارکیٹ میں موجود ہیں اور اجارہ داری قائم کئے ہوئے ہیں جب کہ میونسپل لائسنس نمبر ۵۳۶ میں اور الاٹمنٹ آرڈر ضلع کونسل میں ان کو اجارہ داری قائم کرنے کو نہیں کہا گیا ہے۔ یہ ٹھیکیدار غیر قانونی ہے اور ضلع کونسل کی بلڈنگ غیر قانونی طریقے سے ان کو دے دی گئی ہے۔ بحوالہ مغربی پاکستان لوکل کونسل پراپرٹی رولز ۱۹۶۲ء کے تحت ضلع کونسل کا چیئرمین ایک سال سے زیادہ عرصے کے لئے کوئی پراپرٹی کسی کو ٹھیکے پر دینے کا مجاز ہی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مغربی پاکستان لوکل کونسل پراپرٹی رولز ۱۹۶۲ء کے سیکشن ۹ کے تحت کوئی بھی غیر متحرک پارٹی صرف کونسل کی منظوری سے ہی تین سال سے زیادہ عرصے کے چیئرمین بغیر کنٹرولنگ اتھارٹی کی منظوری کے نہیں دے سکتا ہے۔ اس قانون کے تحت محمد رمضان اس جگہ کا غیر قانونی ٹھیکیدار ہے۔

گذشتہ مہینوں سے یہ سننے میں آرہا ہے کہ فروٹ اینڈ

ویجی ٹیبل مارکیٹ شکارپور روڈ پر منتقل ہو رہی ہے اور وہاں اس مقصد کی خاطر ضلع کونسل کی جانب سے ان ہی اجارہ داروں کو چھ ایکڑ کا پلاٹ منتخب کر دیا گیا ہے۔ اور اس پلاٹ پر صرف ان ہی لوگوں کو اجازت ہو گی جو تاجر موجودہ منڈی میں تجارت کر رہے ہیں اور بقیہ خواہش مندوں کے لئے کوئی راستہ تجویز نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان خبروں کو سن کر خواہشمند تاجروں نے ڈپٹی کمشنر سکھر کو ایک درخواست روانہ کی تھی کہ ہم کو بھی وہاں پر حق دیا جائے۔ لیکن تاحال کوئی جواب نہیں مل سکا ہے۔

شکارپور روڈ شہر سے بہت دور ہے۔ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ سنٹر۔ گورنمنٹ ڈگری کالج۔ گورنمنٹ ٹیچرز ٹریننگ کالج کے قریب ہی یہ مارکیٹ تعمیر کی جائے گی۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام کالجوں میں مخلوط تعلیم دی جاتی ہے۔ ممکن ہے آگے چل کر کالجوں کے طلباء مارکیٹ کی فضاء کو برداشت نہ کر سکیں۔ دیگر شہریوں اور چھوٹے تاجروں خوردہ فروشوں کو زبردست مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو فروٹ اور سبزی آج یہاں پر ایک روپے سیر آسانی سے حاصل ہوتی ہے وہ وہاں پر مارکیٹ کے جانے سے دو روپے سیر تک مل سکے گی۔ اس طرح مہنگائی کے اس دور میں ہر شخص کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ مارکیٹ کے وہاں جانے سے زمینداروں اور باغبانوں پر خرچ کا بار بھی بڑھ جائے گا۔ اس مارکیٹ کے تعمیر ہونے سے صرف اجارہ داروں کو ہی فائدہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے مالکانہ حقوق کے ذریعے ہر طرح کی دھاندلی کریں گے اور مارکیٹ کی ناکامی کی صورت میں سستے داموں ملا ہوا پلاٹ زیادہ سے زیادہ منافع کے ساتھ فروخت کر سکیں گے۔ کیا ڈپٹی کمشنر صاحب سکھر صرف ان لوگوں کو مارکیٹ کے لئے ایک وسیع پلاٹ دے کر دوسرے خواہش مند تاجروں کو بیروزگار کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے عرض ہے کہ سندھ میں صرف سکھر کے علاوہ کسی جگہ بھی پرائیویٹ مارکیٹ کی اجازت نہیں ہے اگر اس موجودہ مارکیٹ کو بلدیہ اور ضلع کونسل مشترکہ طور پر نیلام کریں۔ تو لاکھوں روپیہ کی آمدنی ہو سکتی ہے۔ حکام کے سامنے خیرپور کی مارکیٹ کی مثال موجود ہے۔ جو کہ اس مارکیٹ کی چوتھائی بھی نہیں ہے۔ وہاں پر گذشتہ سال نیلام میں ایک لاکھ پانچ ہزار سالانہ کی بولی ہوئی تھی اور اس سب سے بڑی اور وسیع مارکیٹ کو صرف مجموعی طور پر -/۳۹۲۰۰ روپے سالانہ میں اس ٹھیکیدار کو دے دیا۔ جس کی وجہ سے ضلع کونسل اور بلدیہ سکھر کو لاکھوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے۔؟

فتویٰ فروشوں کا بھی احتساب کیا جائے

الفتح رپورٹ

لیاقت: اشرف کالونی نمبر ا محمود آباد کے سماجی کارکن جناب محمود بٹ نے حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ ملک میں پھیلے ہوئے جن تخریب پسند اور عوام دشمن عناصر کی اصلاح کے لئے اقدام کر رہی ہے ان میں ابھی تک صرف یحییٰ فوجی ٹولہ اور مزدور دشمن صنعت کار ہی زد میں آسکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ وطن عزیز اپنی عمر کے ابتدائی ایام سے لے کر آج تک جس سیاسی ڈگر سے دوچار رہا ہے اس میں مذہبی وڈیروں کا کردار سب سے زیادہ نمایاں ہے، مذہب کی آڑ میں شکار کھیلنے والے تخریب پسند علماء اور فتویٰ فروش اب بھی سادہ لوح عوام کو اپنی مکروہ چالوں سے بہکا رہے ہیں۔ اور ملک کی تعمیر و ترقی میں منفی کردار ادا کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ حکومت نے ابھی تک اس زمرے میں آنے والے عناصر کے خلاف کوئی نوٹس نہیں لیا۔ حالانکہ یہ لوگ کڑی سزا کے مستحق ہیں، حکومت کو چاہیئے کہ وہ مذہبی وڈیروں کے خلاف تحقیقاتی کمیشن قائم کرے اور ایک سروے کے ذریعے ملک میں پھیلے ہوئے تمام پیروں، فقیروں، گدی نشینوں اور نام نہاد سامراج نواز علماء کی ایک فہرست تیار کرے اور اس کے بعد فرداً فرداً سب کے سیاسی، سماجی اور اخلاقی کردار کا جائزہ لے اور قانون کی گرفت میں آنے والے افراد کو نہ صرف قرار واقعی سزا دے بلکہ آئندہ کے لئے ایسے افراد کے افعال و کردار پر کڑی نظر رکھے انہوں نے کہا کہ جو علماء سابقہ حکومتوں کے سیاہ کارناموں میں شریک رہے ہیں، اور ان کی دھاندلیوں کی پردہ پوشی کے لئے فتوے جاری کرتے رہے ہیں وہ اب بھی لقادیس کے لبادے میں عوام کو اپنے مکر و فریب کا شکار بنانے میں مصروف ہیں اور حکومت کو ناکام بنانے کی کوششیں کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ ملک جس اقتصادی بحران اور بین الاقوامی سازشوں کا شکار ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ عوام کے مذہبی جذبات کو ایسے صحت مندانہ نقوش کی طرف منتقل کیا جائے جو ملک کی تعمیر و ترقی میں ممد و معاون ثابت ہو سکیں۔



قارئین کہتے ہیں

ہم تاریکی میں رہے اب روشنی کی ضرورت ہے

ملک ایک نازک دور سے گزر رہا ہے۔ مسائل ہی مسائل ہیں۔ لوٹ کھسوٹ کا نظام رائج ہے۔ رشوت خوری، اقربا پروری، سفارش اور ظلم و ستم کا بازار گرم ہے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ اور شہید ملت لیاقت علی خاں کے بعد وطنِ عزیز چند مفاد پرست آمر اور لٹیرے حکمرانوں کے ہاتھ آگیا۔ جی بھر کر عوام کا استحصال کیا گیا۔ حقائق سے چشم پوشی کی گئی۔ معاملات کو سلجھانے کی بجائے الجھانے کی کوشش کی گئی۔ اپنے اقتدار کی خاطر "ون یونٹ" مسلط کیا۔ اور ون یونٹ کی آڑ میں منافرت، صوبائی تعصبات اور ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے نفرت کا سبق سکھایا گیا۔ آج ہم جن حالات سے دوچار ہیں۔ یہ سب ان مفاد پرست حکمرانوں اور آمروں کے پیدا کردہ ہیں۔ اب اِس نظام کو ختم کرنے کا وقت آگیا ہے۔ اب اِس نظام کو ختم ہونا چاہیئے۔ ۲۴ سال تک ہم انتظار کی گھڑیاں گنتے رہے۔ اب مزید طاقت انتظار نہیں۔ یوں تو پورا ملک مسائل کی بھنور میں پھنسا ہوا ہے۔ لیکن بلوچستان کی حالت قابل رحم ہے۔ اِس خطہ پر سرداری نظام رائج ہے۔ فرنگی سامراج کے یہ پٹھو غریب و سادہ عوام پر مسلط ہیں۔ عوام کو جان بوجھ کر پس ماندہ اور ناخواندہ رکھا گیا۔ تاکہ انہیں زیادہ مدت تک حکمرانی کا موقع ملے۔ آج بھی بلوچستان میں ضلع مکران کے سوا دوسرے علاقوں میں سرداریت کا اثر باقی ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ اس خطہ میں تعلیم عام نہیں ہے۔ اور سردار اپنے قبیلہ کی پس ماندگی اور ناخواندگی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کو تعلیم سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب یہ مختلف طریقوں سے اپنی سیاسی و سماجی ٹھیکیداری برقرار رکھنے کے لئے کبھی سوشلزم اور کبھی نیشنلزم کا نعرہ لگاتے ہیں۔ حالانکہ ان کی ذہنیت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ لیکن حالات سے مجبور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال طبقہ ان سے متنفر ہو چکا ہے۔ دوسرا طبقہ سودے بازی کرنے والے زرداروں کا طبقہ ہے۔ جو ابن الوقت اور مفاد پرست ہے صرف اقتدار حاصل کرنے کے لئے چڑھتے ہوئے سورج کے پجاری ہیں۔ تیسرا طبقہ بدنام اور ذلیل نوکر شاہی کا ہے۔ جو ملک کے موجودہ المیہ کا ذمہ دار ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ملک کو جتنا نقصان نوکر شاہی نے پہنچایا ہے، اور کسی نے نہیں۔ یہاں کے لوگ، پولیس کسٹم اور انتظامیہ کی بدعنوانیوں سے تنگ آچکے ہیں۔ جس کے پاس رشوت اور سفارش نہیں۔ وہ ہمیشہ کے لئے اپنے جائز حقوق سے محروم ہے۔ یہاں سرداروں، زرداروں اور نوکر شاہی کا خفیہ گٹھ جوڑ ہے اور غریب عوام استحصال کی چکی میں پس رہا ہے۔ سرداروں اور نوابوں کی عیاشی کے لئے جو بندوبست تھا وہ آپ نے ختم کر کے تمام ملک اور خصوصاً بلوچستانیوں کے دل جیت لئے ہیں۔ لیکن نوکر شاہی کو صرف تنبیہہ کافی نہیں ہے۔ اس کیلئے انقلابی اقدامات کی ضرورت ہے۔ خود ساختہ سرداروں اور سیاسی ٹھیکہ داروں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں کا مظلوم اور تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے ساتھ ہے۔ بشرطیکہ آپ ان کی سازشوں سے بالاتر ہو کر کام کریں۔ ہم چوبیس سال تک اندھیرے میں رہے اب ہمیں روشنی کی ضرورت ہے۔ تعلیم و ترقی کی ضرورت ہے۔ آخر میں میں صدرِ مملکت سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ صوبہ بلوچستان کا وقتاً فوقتاً دورہ کیا کریں۔ یہاں کے ہر ضلع میں آئیں۔ اور عوام سے بذات خود رابطہ قائم رکھیں۔ تاکہ صحیح صورت حال کا اندازہ ہو سکے۔ صرف نوکر شاہی پہ بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ نوکر شاہی نے ہمیشہ عوام اور حکومت کے درمیان دیوار حائل کرنے کی کوشش کی۔ اور عوام کا استحصال جاری رکھا جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے

بی۔ اے۔ بلوچ۔ مکران (سندھ)

ایک سابق وزیر اعظم کا پوتا۔ جنرل رانی اور یحییٰ خاں

ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے ملازمین کو کچلنے کے لئے ایک سابق وزیرِ اعظم کے پوتے کو چھ ہزار روپے ماہانہ پر ملازم رکھا گیا۔ ان کے لئے نیا عہدہ تیار کیا گیا۔ وہ افسر جنرل رانی اور ایک ڈی ایس پی کے ساتھ مِل کر سابق صدر یحییٰ خان اور آغا محمد علی کو عورتیں سپلائی کرتا تھا۔ انٹر کانٹی نینٹل لاہور کے اس افسر اور دوسرے افسر سے روزانہ غیر ملکی ملنے آتے تھے۔ اور رازونیاز کی باتیں کرتے تھے۔ میں ان کی تمام کارروائیوں کا عینی شاہد ہوں اور ان کے متعلق بہت سی باتیں بتانے کے لئے تیار ہوں۔

میں یونیورسٹی کا طالب علم ہوں۔ مجھے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل لاہور کی ایمپلائز یونین کا صدر منتخب کیا گیا۔ ہمارے ہوٹل میں تقریباً چار سو ورکر کام کرتے ہیں۔ جب سے ہوٹل بنا ہے مزدوروں کے ساتھ ہمیشہ سے وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ پتا نہیں آج کتنے مزدور گھرانوں کو تباہ و برباد کیا گیا۔ اِس وقت ہمارے تیس کارکن محض ہڑتال کی وجہ سے بے روزگار ہیں۔ انہیں سولہ ماہ قبل علیحدہ کیا گیا۔ ان پر جعلی مقدمات بھی بنوا دیے گئے۔ اِس قدر ظلم سامراج نے بھی نہیں کیا۔ جتنا ان ہارون اور سہگل کے زر خرید غلاموں نے کیا۔ خدارا اس پر قلم اٹھایئے مجھ سے کسی طرح رابطہ قائم کریں۔ یا پھر بتائیں کہ میں کس طرح سے رابطہ قائم کروں۔ آپ کو ایسے دل خراش حقائق سے آگاہ کروں گا کہ رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔

ظفر اقبال۔ صدر ایمپلائز یونین
ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل۔ لاہور

بھائی۔ یہ لیڈر لوگ کیوں چلا رہا ہے

آج کل نام نہاد لیڈر ملک سے مارشل لاء ختم کرنے کے لئے خوب شور مچا رہے ہیں۔ جب سابق صدر یحییٰ خان کا مارشل لاء تھا تو ان لیڈروں کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ اندر ہی اندر یہ خوش تھے۔ کیونکہ وہ مارشل لاء امیروں کے حق میں تھا اور غریبوں کے خلاف۔ اس لئے یہ لیڈر لوگ اِس کی حمایت

کرتے رہے۔ یا مجرمانہ خاموشی سے کام لیا۔ اس برائے نام مارشل لاء میں امیروں کا تھوڑا بہت نقصان ہو رہا ہے تو یہ تنخواہ دار لیڈر گلے پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے ہیں "مارشل لاء ہٹاؤ، ملک میں جمہوریت بحال کرو"۔ ____ مارشل لاء ضرور ہٹنا چاہیئے ہم غریب لوگ بھی اس بات کے حق میں ہیں۔ مگر میں سرمایہ داروں کے ان ایجنٹوں سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ یہ مارشل لاء ہٹ گیا اور نام نہاد جمہوریت بحال ہو گئی تو ہم جیسے غریبوں اور چھوٹے لوگوں کو کیا فائدہ ہوگا۔؟ ملک میں جس جمہوریت کی بحالی کا نعرہ لگایا جا رہا ہے۔ کیا اس سے ہمارے مسائل حل ہو جائیں گے ____؟ ____ نہیں ____ ہرگز نہیں۔ جمہوریت ایک ڈھونگ ہے۔ فریب ہے۔ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے استحصال کو پارلیمنٹ کا تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ ایک آئینی شکل مل جاتی ہے۔

اس ملک کے مزدوروں اور ہاریوں، کسانوں اور انقلاب پسندوں کو چاہیئے کہ وہ اس سیاسی فراڈ میں ہرگز نہ الجھائیں بلکہ وہ عوامی انقلاب کے لئے دن رات کام کریں۔ مزدوروں اور کسانوں کو منظم کریں اور پرولتاریہ کی قیادت میں عوامی جمہوریت کے قیام کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔ یہی ہمارے مسائل کا واحد حل ہے۔ موجودہ حکومت کا مارشل لاء اصغر خان اور ولی خان کی نام نہاد جمہوریت کو ان کے پاس رہنے دیں۔ یہ ہمارے ہتھیار نہیں ہیں۔

محمد ابراہیم۔ ساکن شاہ گوٹھ۔

اورنگی کے مہاجرین کے لئے بھی کچھ کہو، لب کھولو

موجودہ حکومت ملکی اور بین الاقوامی سازشوں کے توڑ میں لگی ہے، بے شمار مسائل ہیں۔ مشرقی پاکستان میں بھارتی فوجیں بیٹھی ہیں، پاک فوج کے ۹۲ ہزار سپاہی بھارت کے قبضے میں ہیں مہاجرین کی ناکہ بندی ہے۔ مشرقی اور مغربی یورپ کے ممالک دھڑا دھڑ نام نہاد بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے میں لگے ہیں۔ گویا پاکستان پر فوجی دباؤ کے بعد اب سفارتی دباؤ بڑھ گیا ہے۔ حالات پیچیدہ اور سنگین ہوتے جا رہے ہیں، یہ سارے حقائق ہیں ٹھوس اور سنگین مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان چند ہزار مہاجرین کو یکسر فراموش کر دیں جو ایک پاکستان کی خاطر مشرقی پاکستان سے نکالے گئے اور اب کراچی کی ایک نواحی بستی اورنگی ٹاؤن میں بے یار و مددگار۔ کسمپرسی کے عالم میں ہیں۔

کیا انہوں نے کوئی بھاری ظلم کیا ہے، جس کی سزا انہیں دی جا رہی ہے آخر ان لیڈروں کو کیا ہو گیا جو بیانات کے لئے بہانے تراشتے ہیں اور بات بے بات پر اپنے مہمل بیانوں سے اخبار نویسوں کو تنگ کرتے ہیں آخر عوام کا دم بھرنے والے لیڈران کہاں گئے ____ کدھر سو گئے۔ ان کے لئے ایک سنہری موقع ہاتھ آیا۔ اورنگی کے بد نصیب مہاجرین ان کے ایک بیان کے لئے ترس گئے ہیں۔ عوام اور انقلاب کی باتیں کرنے والے لیڈرو تم ہی تو کچھ کہو۔ اب تو بولو یہ بھی تو انسان ہیں، کیا جرم کیا اگر پاکستان کے لئے کتنی باہمیتوں سے جھگڑا مول لیا۔ اس حصے کے بہت سے لیڈر اور سیاسی جماعتیں تو بنگالی عوام کو برا بھلا کہہ کر یک سر بن گئے۔

مزدوروں کی برطرفی نمائندہ حکومت کے خلاف ایک گہری سازش ہے

گذشتہ کئی ماہ سے کوہ نور کیمیکل کمپنی لمیٹڈ (اللہ والا گروپ) کی انتظامیہ محنت کش کارکنوں اور مزدوروں کے ساتھ ظلم و تشدد اور چھانٹی کی مزدور دشمن کارروائیوں میں مصروف عمل ہے۔

ملک شدید سیاسی اور معاشی بحران سے گزر رہا ہے قومی معیشت پر برا اثر پڑا ہے۔ ہزاروں مزدور اور محنت کش پہلے ہی سے سرمایہ داروں کے ناپاک عزائم اور مفاد پرست کارروائیوں کا شکار ہو کر بے روزگاری اور لاچاری کی زندگی سے دوچار ہیں۔ ان حالات میں کارخانوں، فیکٹریوں اور صنعتی اداروں سے مزدوروں کی مسلسل چھانٹی اور بیدخلی ان لاکھوں غریب مگر محنت کش عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ کر رہی ہیں۔

ہفت روزہ الفتح کے ذریعے ایسی تمام انتظامیہ اور خاص طور پر کوہ نور کیمیکل کمپنی کی انتظامیہ کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں گا کہ وہ اپنے ان ناپاک اور مزدور دشمن کارروائیوں سے باز آجائیں۔ اور محنت کش کارکنوں کی برطرفی اور چھانٹی فی الفور بند کر دیں۔ میرے علم میں یہ بات بھی آئی ہے کہ انتظامیہ اپنی کراچی فیکٹری میں تالہ بندی کرنے والی ہے۔ اس وقت بھی وہ مہینے میں صرف تین ہفتے کام کر رہی ہے۔ اس طرح سے وہاں کے کارکنوں اور محنت کش مزدوروں کو صرف ایک مہینے میں تین ہفتے کی تنخواہ دی جا رہی ہے۔ اور جب مزدور و محنت کش اس بات پر انتظامیہ سے احتجاج کرتے ہیں اور اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں تو انتظامیہ فیکٹری میں مکمل تالہ بندی کی دھمکی دیتی ہے۔ اور ہر مزدور سے ایک ماہ میں زبردستی ایک ہفتے کی چھٹی کی درخواست لکھوا رہی ہے۔ اس طرح سے مزدوروں کو ایک ماہ میں صرف تین ہفتوں کی اجرت دی جا رہی ہے اور اپنے ریکارڈ میں ہر محنت کش سے زبردستی لکھوائی گئی ایک ہفتے کی چھٹی کی درخواست رکھ دی جاتی ہے تاکہ احتساب سے بچ سکیں اور حقائق پر پردہ ڈال سکیں۔ میں نمائندہ حکومت سے درخواست کروں گا کہ وہ اس معاملے میں فوراً مداخلت کرے اور صورت حال کو مزید بگڑنے سے روکے۔ رشید برہان الدین سلیم جنرل سیکرٹری پاکستان پیپلز پارٹی۔ دستگیر کالونی۔ فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

بقیہ: ادبی سرگرمیاں

جمہوریت کی نشوونما، خوشحالی اور صنعتی ترقی، عام تعلیم اور سائنس کی تعلیم کو ضروری سمجھتی ہے اور اس امر پر یقین رکھتی ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے ایک عالمگیر پُرامن فضا کی ضرورت ہے ترقی پسند ادب کی تحریک اپنے ادب عالیہ کی صحت مند فضا کی حامل ہے اور انہیں زندگی کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرتی ہے ہم اپنے ماضی کے تمام ثقافتی اور ادبی ورثے پر آنکھ بند کر کے قبول کرنے کی بجائے تنقید اور تخلیق کی روشنی میں پرکھتے ہیں، ہم ادب میں تجربہ محض کے قائل نہیں۔ لیکن ہم ہر اس نئے ادبی تجربے کا خیر مقدم کرتے ہیں جو ہماری ادبی روایات اور زندگی کو نئے مطالبات سے ہم آہنگ کرتی ہو اور جس سے ہمارے ادب میں حسن، پُر مائیگی اور گہرائی کا اضافہ ہوتا ہو۔

بقیہ: اداریہ

عظیم دوست اور پڑوسی عوام جمہوریہ چین کے گرد گھیرا ڈالنے کے لئے کر رہے ہیں۔ ان حالات میں قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد کرنا پاکستان کی آزادی، خود مختاری اور اقتدار اعلیٰ کے لئے سخت خطرناک صورت حال پیدا کرنے کے مترادف ہو گا۔ قومی اسمبلی کے اجلاس کے بغیر مارشل لاء کے فوری خاتمہ کا مسئلہ ملک کو ایک آئینی انتشار میں دھکیلنے کے برابر ہے جس سے سوائے عوام دشمن طاقتیں مثلاً جاگیردار، سرمایہ دار، نوکر شاہی اور سامراجی گماشتے ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کسانوں، مزدوروں، محنت کش عوام اور انقلابی دانشوروں کو اس سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہو سکے گا۔